مؤسس : سیّد ابُوالاعلیٰ مَودودیؒ

ماہنامہ

ترجمان القرآن

اکتوبر ۲۰۰۷ء

مدیر : پروفیسر خورشید احمد

ادارہ ترجمان القرآن

۶۰ سال پہلے

اشارات

حکمتِ مودودیؒ

فہم قرآن

فہم حدیث

اسوۂ حسنہ

تاریخ و سیر

تزکیہ و تربیت

فقہ و اجتہاد

اسلامی معاشرت

اسلامی تحریکیں

عالم اسلام

اسلام اور مغرب

عالم نسواں

پاکستانیات

اخبارِ اُمت

رسائل و مسائل

کتاب نما

پسند آپ کی   کاوش ہماری

کامران ماڈل کالونی

محل وقوع

اسلام آباد کے زیر تکمیل سیکٹر I-14 سے متصل،
موٹر وے چوک اور مدینۃ الحجاج اسلام آباد سے قریب تر

پلاٹ سائز

رہائشی پلاٹس 5، 6، 10 مرلہ اور ایک کنال
کمرشل پلاٹس 5، 8 مرلہ (محدود تعداد میں)

سہولیات

پانی، بجلی، گیس، سکول، کالج، مسجد، ٹیلی فون
اور 24 گھنٹے ٹرانسپورٹ کی سہولت موجود

جدید سہولیات

بینک، ہسپتال، اسلامک سنٹر، لائبریری،
کمرشل ایریا، سکیورٹی اور دیکھ بھال کا نظام

خصوصیات

- کشادہ سڑکیں اور گلیاں
- خوبصورت پرفضا اور آلودگی سے پاک ماحول
- کمرشل ایریا جس میں پلاٹ / شاپ صرف رہائشی افراد کو ترجیحی بنیاد پر دی جائے گی
- سیکٹر کے ساتھ متصل ہونے کی بناء پر زندگی کی ہر آسائش موجود
- موٹر وے اور جی ٹی روڈ سے قریب ترین ہونے کی وجہ سے 24 گھنٹے ٹرانسپورٹ کی سہولت
- وقت کے ساتھ قیمتوں میں اضافہ کی بدولت انتہائی منافع بخش سرمایہ کاری

تازہ ترین ریٹس
کے لئے ہیڈ آفس
سے رجوع کریں

ہاؤسنگ
مختلف سائز کے پلاٹس
پر کوٹھیاں اور مکانات
تعمیر کر کے دینے کی
خدمات موجود

صرف -/2000 روپے فی مرلہ ایڈوانس اور
-/350 روپے فی مرلہ ماہانہ قسط پر
پلاٹ حاصل کریں۔

الرحمٰن ویلی

طریقہ کار

درخواست فارم کے ہمراہ شناختی کارڈ کی فوٹو کاپی اور 2 عدد پاسپورٹ سائز تصاویر لگائیں اور چیک / ڈرافٹ بنام سائبان ایسوسی ایٹس اکاؤنٹ نمبر 1288-7 الائیڈ بینک آف پاکستان چوہڑ ہڑپال برانچ کے پتہ پر ارسال فرمائیں۔

- براہ کرم ڈرافٹ کے پیچھے اپنا مکمل پتہ اور نام ضرور درج فرمائیں۔
- درخواست فارم اور بروشر مفت طلب فرمائیں۔

ادائیگی کا شیڈول

کل قیمت	ماہانہ قسط	ایڈوانس	پلاٹ سائز	
-/156,250 روپے	-/1750 روپے	-/10,000 روپے	25 x 50	5 مرلہ
-/187,500 روپے	-/3500 روپے	-/12,000 روپے	25 x 60	6 مرلہ
-/218,750 روپے	-/3500 روپے	-/14,000 روپے	30 x 60	7 مرلہ
-/312,500 روپے	-/7000 روپے	-/20,000 روپے	35 x 70	10 مرلہ
-/625,000 روپے	-/14000 روپے	-/40,000 روپے	50 x 90	ایک کنال
-/12,00,000 روپے	-/900 روپے ماہانہ (فی مرلہ)	10%	ایک مرلہ سے ایک کنال تک	کمرشل

نوٹ: پلاٹ کی قیمت میں ترقیاتی اخراجات شامل ہیں۔

محل وقوع

متصل قرطبہ سٹی،
نزد موٹر وے چکری انٹرچینج
انڈسٹریل زون راولپنڈی

سہولیات

پانی، بجلی، گیس، ٹیلی فون، کمیونٹی سنٹر، مسجد، سکول، کالج، پارک، قبرستان اور 24 گھنٹے ٹرانسپورٹ کی سہولت

جدید سہولیات

بینک، ہسپتال، اسلامک سنٹر، لائبریری، کمرشل ایریا، سکیورٹی اور دیکھ بھال کا نظام

بکنگ آفس لاہور
الفا رئیل اسٹیٹ
32 منصورہ مارکیٹ، بالمقابل منصورہ مین گیٹ
ملتان روڈ لاہور موبائل: 0300-9480853
فون: 042-7444316,7443429

برانچ آفس کراچی
سائبان ایسوسی ایٹس
C-161، کمرشل ایریا بلاک 2، PECHS،
طارق روڈ، کراچی، متصل رئیل سکیورٹی گارڈز
فون: 021-2014728، موبائل: 0345-5360557

ملک بھر سے نمائندگان کی فوری ضرورت ہے۔ خواہشمند افراد رابطہ فرمائیں۔ تحریکی افراد کو ترجیح دی جائے گی

سائبان ایسوسی ایٹس ®

2G/256 بابا مارکیٹ، چوہڑ ہڑپال، مین پشاور روڈ راولپنڈی
فون: 051-5466925 موبائل: 0300-5249230
E-mail: tm_malik71@yahoo.com

ماہنامہ ترجمان القرآن

جلد۱۳۴، عدد۱۰، شوال ۱۴۲۸ھ، اکتوبر ۲۰۰۷ء

مدیر

پروفیسر خورشید احمد

نائب مدیر

مسلم سجاد

منصورہ، ملتان روڈ، لاہور - ۵۴۷۹۰

فون : ۵۴۲۵۳۵۶ - ۰۴۲

فیکس: ۵۴۳۲۱۹۴ - ۰۴۲

ای میل: tarjuman@wol.net.pk

انتظامی امور

۵-اے، ذیلدار پارک، اچھرہ، لاہور - ۵۴۶۰۰

فون : ۷۵۸۷۹۱۶ - ۰۴۲

۷۰۶۵۷۶۵ - ۰۴۲

فیکس: ۷۵۸۵۵۹۰ - ۰۴۲

ای میل: tarjuman@tarjumanulquran.org

ویب : www.tarjumanulquran.org

قیمت فی شمارہ: ۲۵ روپے

زر سالانہ: ۲۵۰ روپے

معاونِ خصوصی : ۵۰۰۰ روپے

بیرونی ایڈیشن: ۳۵ روپے

بنگلہ دیش، بھارت ۹۰۰ روپے

ایران، مشرق وسطی، مشرق بعید، یورپ، افریقہ ۱۲۰۰ روپے

امریکا، کینیڈا، آسٹریلیا ۱۵۰۰ روپے

بنام ماہنامہ ترجمان القرآن

A/c No. 1957-3, UBL, Ichhra Br. LHR

زیر اہتمام: الابلاغ ٹرسٹ

محکمہ تعلیم سے منظور شدہ بحوالہ SO(A-IV)4-45/99

۶۰ سال پہلے

وحشت کا الزام

دوسرا اعتراض‘ جو پبلک میں تو دبی زبان سے مگر نجی صحبتوں میں بڑی کافرانہ جسارتوں کے ساتھ کیا جاتا ہے‘ یہ ہے کہ اسلامی قانون میں بہت سی چیزیں قرونِ وسطیٰ کی تاریک خیالی کے باقیات میں سے ہیں جنھیں اس مہذب دور کے ترقی یافتہ اخلاقی تصورات کسی طرح برداشت نہیں کر سکتے‘ مثلاً ہاتھ کاٹنے اور درّے مارنے اور سنگسار کرنے کی وحشیانہ سزائیں۔

یہ اعتراض سن کر بے اختیار ان حضرات سے یہ کہنے کو جی چاہتا ہے ؎

اتنی نہ بڑھا پاکی داماں کی حکایت　　　دامن کو ذرا دیکھ ذرا بند قبا دیکھ

جس دور میں ایٹم بم استعمال کیا گیا ہے‘ اس کے اخلاقی تصورات کو ترقی یافتہ کہتے وقت آدمی کو کچھ تو شرم محسوس ہونی چاہیے۔ آج کا نام نہاد مہذب انسان دوسرے انسانوں کے ساتھ جو سلوک کر رہا ہے اس کی مثال تو قدیم تاریخ کے کسی تاریک سے تاریک دور میں بھی نہیں ملتی۔ وہ سنگسار نہیں بم بار کرتا ہے۔ محض ہاتھ ہی نہیں کاٹتا‘ جسم کے پرخچے اُڑا دیتا ہے۔ درّے برسانے سے اس کا دل نہیں بھرتا‘ زندہ آگ میں جلاتا ہے اور مُردہ لاشوں کی چربی نکال کر ان کے صابن بناتا ہے۔ جنگ کے ہنگامۂ غیظ وغضب ہی میں نہیں‘ امن کے ٹھنڈے ماحول میں بھی جن کو وہ سیاسی مجرم‘ یا قومی مفاد کا دشمن‘ یا معاشی اغراض کا حریف سمجھتا ہے ان کو دردناک عذاب دینے میں وہ آخر کون سی کسر اُٹھا رکھتا ہے؟ ثبوت جرم سے پہلے محض شبہے ہی شبہے میں تفتیش کے جو طریقے اور اقبالِ جرم کرانے کے جو ہتھکنڈے آج کی مہذب حکومتوں میں اختیار کیے جا رہے ہیں وہ کس سے چھپے ہوئے ہیں... فرق جو کچھ واقع ہوا ہے وہ دراصل اخلاقی قدروں میں ہے۔ ان کے نزدیک جو جرائم واقعی سخت ہیں اُن پر وہ خوب عذاب دیتے ہیں اور دل کھول کر دیتے ہیں‘ مثلاً ان کے سیاسی اقتدار کو چیلنج کرنا‘ یا ان کے معاشی مفاد میں مزاحم ہونا۔ لیکن جن افعال کو وہ سرے سے جرم ہی نہیں سمجھتے‘ مثلاً شراب سے ایک گونہ بے خودی حاصل کر لینا‘ یا تفریحاً زنا کر لینا‘ ان پر عذاب تو درکنار‘ سرزنش اور ملامت بھی انھیں ناگوار ہوتی ہے۔ اور جرم نہ سمجھنے کی صورت میں لامحالہ وہ ناگوارِ خاطر ہونی ہی چاہیے۔ (’اسلامی قانون‘، ابوالاعلیٰ مودودی، ترجمان القرآن‘ جلد ۳۱‘ عدد ۳‘ رمضان ۱۳۶۷ھ‘ جولائی ۱۹۴۸ء‘ ص ۶۲-۶۳)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اشارات

___ انجامِ گلستاں کیا ہوگا؟

پروفیسر خورشید احمد

امتحان اور آزمایش کی وہ گھڑی جو کئی مہینے سے سروں پر منڈلا رہی تھی' اب قوم کے سامنے ہے اور صدارت پر قابض جنرل پرویز مشرف نے دستور' قانون' آدابِ سیاست اور اصولِ اخلاق کو بالاے طاق رکھ کر پورے فوجی کروفر کے ساتھ موجودہ اسمبلیوں سے وردی میں صدارتی انتخاب لڑنے کا اعلان کر دیا ہے اور سپریم کورٹ تک کو ایک دھمکی آمیز بیان سے نوازا ہے کہ ''اگر میں صدر منتخب ہوگیا تو ۱۶ نومبر ۲۰۰۷ء تک چیف آف آرمی اسٹاف کے عہدے سے فارغ ہو جاؤں گا''۔

الیکشن کمیشن نے بھی ۱۹۸۸ء کے انتخابی قواعد میں ۱۰ ستمبر یہ تبدیلی کر کے (اس تبدیلی کی منظوری بھی جنرل پرویز مشرف ہی سے لی گئی ہے) کہ صدر کے انتخاب پر دستور کی دفعہ ۶۳ کا اطلاق نہیں ہوگا' اپنی تابع داری کا بھرپور اظہار کر دیا ہے۔ سپریم کورٹ میں یہ مسئلہ زیرغور (sub judice) ہے کہ صدر دو عہدے رکھ سکتا ہے یا نہیں اور کیا فوج کا چیف آف اسٹاف صدارت کا امیدوار بن سکتا ہے یا نہیں' لیکن عدالت کے فیصلے کا انتظار کیے بغیر الیکشن کمیشن نے صدارتی انتخاب کا شیڈول جاری کر دیا ہے اور دستور کی دفعہ ۶۳ کی بے دخلی کے ساتھ ایک اور ترمیم یہ بھی کر دی ہے کہ چیف الیکشن کمشنر کے سوا کوئی اور ریٹرننگ آفیسر کسی امیدوار کے کاغذات کو رد یا قبول نہیں کر سکتا۔

جنرل صاحب نے جس آخری مُکے کی دھمکی دی تھی' اس کا بھرپور استعمال شروع ہوگیا

ہے۔ اس کا آغاز ۱۰ ستمبر کو جناب نواز شریف کے ساتھ بدسلوکی' سپریم کورٹ کے ۲۳ اگست کے فیصلے کی کھلی خلاف ورزی کرتے ہوئے انھیں اپنے ملک میں واپس آنے کے حق سے محروم کرنے' نیز ان کے اغوا اور ملک بدری سے کیا گیا' اور اب ہر ممکن ہتھکنڈے سے جمہوری سیاسی جدوجہد کا راستہ قوت سے روکنے اور ریاست کی مشینری کو حزبِ اختلاف کے قائدین اور سیاسی کارکنوں کی بڑے پیمانے پر گرفتاری' راستوں کی بندش' اور جمہوری احتجاج کے ہر عمل کو ناکام بنانے کا عمل زور شور سے پورے ملک میں جاری ہے۔

اس وقت قوم کو اور اس کے ساتھ' قوم اور دستور کی حفاظت کرنے والے اعلیٰ ترین ادارے ___ سپریم کورٹ ___ دونوں کو ہماری تاریخ کے نازک ترین امتحان سے سابقہ ہے۔ سپریم کورٹ کا امتحان یہ ہے کہ اس نے بڑی عظیم قربانی اور جدوجہد کے بعد ۲۰ جولائی کو جو آزادی اور عزت حاصل کی ہے' وہ اس کی حفاظت کر پاتی ہے یا 'نظریہ ضرورت' کے جس دیوِ استبداد کو دفن کرنے کی بشارت دی گئی تھی اسے اور بھی گہرا دفن کیا جاتا ہے یا خدانخواستہ نئی زندگی دینے کا سامان کیا جاتا ہے؟

صدارتی انتخاب اور اس کے لیے اہلیّت کے سلسلے میں جو مقدمات اس وقت سپریم کورٹ کے زیرِسماعت ہیں' ان کا فیصلہ چند دن میں آنے کی توقع ہے اور ہم یہ امید رکھتے ہیں اور یہی دعا کرتے ہیں کہ عدالت پوری آزادی اور دیانت کے ساتھ دستور کے مطابق حق و انصاف کی روشنی میں خالص میرٹ پر فیصلہ کرے۔ ہم کوئی بدگمانی نہیں کرنا چاہتے لیکن کسی خوش فہمی کی بھی گنجایش نہیں۔ اصل مسئلہ ملک اور قوم کے مستقبل کا' اس کی آزادی اور حاکمیت کا' اور اس ملک کے آیندہ کے نظامِ حکمرانی کا ہے کہ یہ ملک جمہوریت اور دستور اور قانون کی بالادستی کا گہوارہ بنتا ہے یا خدانخواستہ آمریت اور سیاست میں فوج کی مداخلت کی دلدل میں گھرا رہتا ہے اور ایک تباہی کے بعد دوسری تباہی کا سفر شروع کر دیتا ہے؟

اس لیے ہم چاہتے ہیں کہ اس نازک لمحے پر قوم اور عدالت دونوں کی توجہ ایک بار پھر نہایت اختصار سے اصل مسائل (issues) پر مرکوز کرا دیں۔ عدالت جو بھی فیصلہ کرے' دستوری نظام کا تقاضا ہے کہ اس کا احترام کیا جائے لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے اور پاکستان کی ۶۰ سالہ تاریخ اس پر گواہ ہے کہ سیاست دانوں اور پارلیمنٹ کی طرح عدالت نے بھی بودے سہاروں کے

بل بوتے پر 'نظریۂ ضرورت' کے تحت دستوری اور جمہوری نظام کو فروغ دینے اور اس کے تحفظ کرنے کے باب میں ہمیشہ وہ کردار ادا نہیں کیا جس کی قوم کو ان سے توقع تھی اور جو بے لاگ عدل و انصاف کی اعلیٰ روایات سے مطابقت رکھتا ہو۔ بلاشبہہ قانون کے مسلمہ اصول courts' right to revisit کی بنیاد ہی یہ ہے کہ انسانوں کا اعلیٰ ترین ادارہ بھی غلطی کرسکتا ہے اور اس کی اصلاح کا دروازہ کھلا رہنا چاہیے ___ اس لیے کہ اصل فیصلہ تو پھر تاریخ کے قاضی ہی کا ہوتا ہے اور تاریخ بڑی بے لاگ نقاد ہے۔ نیز درست فیصلہ وہی ہوتا ہے جو قوم کے ضمیر کی آواز ہو' اس لیے کہ ملک کے اصل نگہبان ۱۶ کروڑ عوام ہیں' جو قرارداد مقاصد کے واضح الفاظ میں اللہ کی حاکمیت کے تابع حکمرانی کے اختیارات کے اصل امین (trustee) ہیں اور ان کے دیے ہوئے اختیار کے تحت جس کا اظہار ایک طرف دستور اور قانون کی شکل میں ہوتا ہے تو دوسری طرف ان کی آزاد مرضی سے منتخب ہونے والے افراد اور ادارے انجام دیتے ہیں اور ان سے بار بار متعین وقفوں سے مینڈیٹ (اختیار) حاصل کرتے ہیں۔ قانون کسی کی ذاتی مرضی کا نام نہیں بلکہ اس پورے دستوری نظام اور اداراتی انتظام سے عبارت ہے اور عدلیہ کا اس میں بڑا اہم مقام اور کردار ہے۔ بات نامکمل رہے گی اگر اس امر کی تذکیر بھی نہ کی جائے کہ عوام اور تاریخ دونوں اپنا فیصلہ دیتے ہیں اور وہ بڑا کھرا فیصلہ ہوتا ہے لیکن ایک آخری فیصلہ جو سب سے بھاری ہے' وہ ہے جو خود اللہ تعالیٰ فرمائے گا اور اس فیصلے سے کوئی بچ نہیں سکتا۔ عدالت اور عوام سب کو اس آخری فیصلے کے پورے احساس اور شعور کے ساتھ اپنا اپنا کردار ادا کرنا چاہیے کہ کامیابی کا یہی راستہ ہے۔

اس وقت عدالت اور قوم دونوں کے سامنے اصل سوال ایک اور صرف ایک ہے ___ یعنی ملک کا مستقبل کا نظام کیسا ہوگا ___ آمریت یا جمہوریت' شخصی حکمرانی یا دستور اور قانون کی بالادستی' انصرامِ حکومت کا عوام کے حقیقی نمایندوں کے ہاتھوں میں ہونا یا جبر اور قوت سے مسلط کیے جانے والے افراد کی حکمرانی' اور واضح الفاظ میں سیاسی نظام میں فوج کی مداخلت بلکہ بالادستی یا فوج کے کردار کا دستور کے مطابق سول قیادت کے ماتحت صرف دفاعی ذمہ داریوں تک محدود ہونا۔

عدالت کے فیصلے کا اصل موضوع یہی ایشو ہے، مجوزہ صدارتی انتخاب کا مرکزی نکتہ بھی یہی مسئلہ ہے، ملک میں سیاسی جماعتوں، وکلا اور سول سوسائٹی کی جدوجہد کا محور بھی یہی چیز ہے، اور آنے والے قومی اور صوبائی انتخابات کی جدوجہد کا محور بھی یہی چیز ہے، اور آنے والے قومی اور صوبائی انتخابات کا مرکزی موضوع بھی یہی فیصلہ کن امر ہے۔

عدالت میں جس مرکزی سوال پر بحث ہو رہی ہے وہ یہ ہے کہ:

کیا موجودہ اسمبلیاں نیا صدر منتخب کرسکتی ہیں، یا اس کا سیدھا راستہ غیر جانب دار نظام کے تحت، آزاد اور معتمد علیہ الیکشن کمیشن کے ذریعے، شفاف انتخابات ہیں جن کے ذریعے قوم نیا مینڈیٹ دے اور اس کی روشنی میں صدر، پارلیمنٹ اور انتظامیہ سب اپنا اپنا کردار ادا کریں۔

دوسرا بنیادی مسئلہ یہ ہے کہ کیا کوئی شخص فوج کے چیف آف اسٹاف کے عہدے پر فائز ہوتے ہوئے صدارتی انتخاب میں حصہ لے سکتا ہے اور کیا کوئی قانون یا ضابطہ کسی فرد کو یہ 'حق' دے سکتا ہے؟

تیسرا مسئلہ جو ماضی کے کچھ عدالتی فیصلوں کی بنا پر پیدا کر دیا گیا ہے، یہ ہے کہ کیا صدر کے انتخاب کے لیے دستور کی دفعہ ۶۳ لاگو ہوتی ہے یا نہیں؟ دستور میں قومی اسمبلی اور صوبائی اسمبلیوں کے ارکان کی اہلیت کے لیے دو شقیں ہیں یعنی دفعہ ۶۲ اور دفعہ ۶۳۔ لیکن کیا صدر کے لیے صرف دفعہ ۶۲ لاگو ہوتی ہے اور دفعہ ۶۳ کا اس انتخاب سے کوئی تعلق نہیں، جیسا کہ سرکاری حلقے دعویٰ کر رہے ہیں اور الیکشن کمیشن سے انھوں نے اس تعبیر کے مطابق ضوابط کار میں تبدیلی کرالی ہے۔

چوتھا مسئلہ جو نسبتاً ٹیکنیکل نوعیت کا ہے یہ ہے کہ کیا اس مرحلے پر عدالت عظمیٰ کو اس باب میں مداخلت کرنی چاہیے؟

عدالت جو بھی فیصلہ کرے ہم ضروری سمجھتے ہیں کہ عوام کی تفہیم کے لیے ان چاروں امور کے بارے میں چند اہم گزارشات پیش کر دیں:

سب سے پہلے یہ بات سامنے رہنی چاہیے کہ دستور کے تحت ہمارے ملک کا نظام پارلیمانی نظام ہے اور آٹھویں ترمیم اور سترھویں ترمیم میں جو بھی اختیارات صدر کو دیے گئے ہیں اور اس کے نتیجے میں توازنِ اختیارات میں جو بھی سقم رونما ہوا ہے، اس کے علی الرغم نظامِ حکومت پارلیمانی ہے اور

چند صواب دیدی اختیارات (discretionary powers) کے سوا صدر‘ وزیراعظم کے مشورے کا پابند ہے جو چیف ایگزیکٹو کی حیثیت رکھتا ہے۔ صدر‘ حکومت کا سربراہ نہیں ’’مملکت کا سربراہ اور جمہوریہ کے اتحاد کی نمایندگی کرتا ہے‘‘۔ دفعہ ۴۱ کی اس حیثیت کا تقاضا ہے کہ صدر غیر جانب دار ہو‘ جماعتی سیاست سے بالا ہو‘ اور غیر متنازع شخصیت کا حامل ہو۔ عدالت نے متعدد فیصلوں میں اس اصول کو بیان کیا ہے کہ جس نے صدر کی اس حیثیت کو ایک قانونی تقاضے (settled law) کا درجہ دے دیا ہے۔ سپریم کورٹ نے ’میاں نواز شریف بنام صدر پاکستان‘ (PLD 1993 SC 473) کے فیصلے میں اس اصول کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

> بلاشبہہ وفاق کے اتحاد کی علامت کے طور پر صدر کو دستور میں غیر جانب دار مقام حاصل ہے‘ اور اس حیثیت میں اس کو ریاست کے تمام عمال میں سب سے زیادہ احترام اور عزت کا حق حاصل ہے۔ لیکن یہ بھی اتنا ہی اہم ہے کہ اس اعلیٰ منصب کے وقار کی حفاظت و بقا کے لیے اور دستور کے تحت غیر جانب دار حیثیت سے صدر کو سیاسی جھگڑوں سے اپنے کو الگ رکھنا چاہیے۔ اگر صدر سیاسی کھیل کی کشش سے اپنے کو دُور نہ رکھ سکے یا وہ اسمبلی میں دوسرے سیاسی عناصر کے ساتھ فریق بنے تو قومی معاملات میں ایک غیر جانب دار ثالث اور وفاق کے اتحاد کی علامت کے طور پر اس کی حیثیت مجروح ہو جائے گی۔

سپریم کورٹ کی طرف سے دستور کے اس واضح تقاضے کی نشان دہی کی موجودگی میں جنرل پرویز مشرف جو کردار ادا کر رہے ہیں‘ وہ دستور کے الفاظ اور روح دونوں کے منافی بلکہ دستور کو مسخ (subvert) کرنے کے مترادف ہے جو ان کے اس عہد کے بھی خلاف ہے جو بطور صدر دستور کی اطاعت اور فرماں برداری کے لیے وہ ایک نہیں دو بار لے چکے ہیں اور اس باب میں صرف ان کے یہی کارہاے نمایاں انھیں آیندہ انتخاب کے لیے نااہل بنا دیتے ہیں‘ اس لیے کہ دستور کی دفعہ ۴۷(۱) کے تحت ’’دستور کی خلاف ورزی یا فاش غلط روی کے کسی الزام میں اس کا مواخذہ کیا جاسکتا ہے‘‘۔ بلاشبہہ مواخذے کا ایک خاص طریق کار ہے مگر دستور کی خلاف ورزی دستور کے تحت عہدہ صدارت کے لیے نااہل بنا دینے والا ایک جرم ہے۔

جنرل پرویز مشرف کو صدارت کے لیے نااہل بنادینے والی دوسری بات ان کا چیف آف اسٹاف کا عہدہ ہے۔ اگر یہ تسلیم کر بھی لیا جائے کہ سترھویں ترمیم کے ذریعے انھیں دو عہدے رکھنے کی رخصت دے دی گئی تھی تب بھی یہ تو ایک ناقابلِ انکار حقیقت ہے کہ یہ حد ۳۱ دسمبر ۲۰۰۴ء کو ختم ہوگئی اور پارلیمنٹ سے جس قانون کا سہارا لے کر اسے آج تک توسیع دی گئی ہے' وہ خود سترھویں ترمیم کی ضد ہے اور ایک فاسد قانون (bad law) ہے۔ نیز یہ توسیع اس معاہدے (covenant) کی خلاف ورزی ہے جس کے تحت ۳۱ دسمبر ۲۰۰۴ء تک کے لیے یہ رخصت دی گئی تھی۔ اس معاہدے کا عوام کے سامنے اقرار جنرل صاحب ۲۴ مارچ ۲۰۰۳ء کو اپنے خطاب میں کیا ہے جسے سترھویں ترمیم کے ساتویں نکتۂ اقرار (seventh point of agreement) کے طور پر انھوں نے تسلیم کیا ہے۔ یکم جنوری ۲۰۰۵ء سے دو عہدوں کے باعث ان کی صدارت امرواقع (de facto) تو قرار دی جاسکتی ہے لیکن امر جائز (de jure) کسی پہلو سے تسلیم نہیں کیا جاسکتا۔ لیکن اب ان کا دعویٰ ہے کہ وہ آیندہ پانچ سال کے لیے وردی میں صدارت کے امیدوار بن سکتے ہیں' خواہ منتخب ہونے کے بعد وردی اتارنے کا وہ وعدہ ایک بار پھر کیوں نہ کر رہے ہوں۔ جس نے پہلا وعدہ وفا نہ کیا ہو' اس کے دوسرے وعدے پر اعتبار کون کرے گا۔ لیکن مسئلہ آیندہ پانچ سال کے لیے اپنے آپ کو صدارت کے لیے پیش کرنے والے امیدوار کی الیکشن کے وقت اہلیّت کا ہے اور وہ جنرل صاحب کو حاصل نہیں۔ اس لیے کہ دستور اور کسی بھی قانون کے تحت ایک حاضر سروس جرنیل کو کسی سیاسی عہدے کے لیے اپنے کو امیدوار بنا کر پیش کرنے کا اختیار نہیں دیا گیا بلکہ یہ ایک جرم ہے جس کی سزا ملک کے قانون کے تحت ۱۰ سال قید ہے' اور وہ تمام افراد بھی اس سزا کے مستوجب ہوسکتے ہیں جو کسی فوجی افسر کو ایک سیاسی عہدے کے لیے نامزد کریں۔

اسی نااہلیّت سے فرار کی خاطر یہ ڈراما رچایا جارہا ہے کہ دستور کی دفعہ ۶۳ کا اطلاق صدارتی امیدوار پر نہیں ہوتا۔ دیکھیے عدالت کیا فیصلہ دیتی ہے لیکن عقل و تجربے دونوں اس بارے میں کسی ابہام کی گنجایش نہیں چھوڑتے۔ دستور کی دفعہ ۴۱ (۲) صاف الفاظ میں کہتی ہے کہ:

> کوئی شخص اس وقت تک صدر کی حیثیت سے انتخاب کا اہل نہیں ہوگا تاوقتیکہ وہ کم از کم ۴۵ سال کی عمر کا مسلمان نہ ہو اور قومی اسمبلی کا رکن منتخب ہونے کا اہل نہ ہو۔

انگریزی میں الفاظ shall not be qualified for election ہیں اور پھر قومی اسمبلی کی رکنیت کے سلسلے میں بھی is qualified to be elected ہیں۔

اب جو بقراطی نکتہ لایا جا رہا ہے وہ یہ ہے کہ دفعہ ۶۲ qualifications بیان کرتی ہے اور دفعہ ۶۳ disqualifications۔ ساتھ ہی اعتراف کیا جاتا ہے کہ قومی اور صوبائی اسمبلی کے رکن کے لیے تو ۶۲ اور ۶۳ دونوں لاگو ہیں لیکن صدر کے لیے ۶۳ لاگو نہیں۔

اس کا سیدھا جواب یہ ہے کہ ۶۲ اور ۶۳ دونوں مل کر اہلیت کا تعین کرتی ہیں اور یہ دونوں دفعات composite ہیں، separable نہیں۔ دوسرے الفاظ میں اہلیت کے لیے پہلی شرط یہ ہے کہ 'عدم اہلیت' کی کوئی بات اس میں نہ پائی جاتی ہو۔ یہ منفی پہلو ہے۔ جس میں کوئی بھی عدم اہلیت کی بات پائی جائے گی، وہ پہلے ہی مرحلے میں اہلیت کی دوڑ سے باہر ہو جائے گا۔ البتہ جس میں عدم اہلیت کی کوئی کیفیت نہ ہو، وہ بھی آپ سے آپ اہل نہیں بن جاتا بلکہ اس میں مزید اہلیت کی کچھ مثبت صفات ہونی چاہییں۔ اس طرح منفی اور مثبت دونوں پہلوؤں کے تناظر میں کسی شخص کی اہلیت کا تعین ہوسکتا ہے۔ ان میں سے ایک کو دوسرے سے جدا نہیں کیا جاسکتا۔

بھارت کی سپریم کورٹ نے بھی ڈاکٹر ذاکر حسین صاحب کی صدارت کے سلسلے میں دائر کیے جانے والے ایک مقدمے میں یہی فیصلہ دیا تھا کہ 'نااہلیت' اور 'اہلیت' کے بارے میں دستور کی دفعات کو ملا کر لیا جائے گا۔ یہی عقل کا تقاضا ہے لیکن ناطقہ سر بہ گریباں ہے کہ کیسے کیسے لائق فائق حضرات یہ فرما رہے ہیں کہ منفی صفات (دفعہ ۶۳) کا اہلیت اور اس کی مثبت صفات (دفعہ ۶۲) سے کوئی تعلق نہیں۔ لیکن وہ ایک لمحہ اس بات پر بھی غور نہیں کرتے کہ جس سترھویں ترمیم کا اتنا شور ہے، خود اس میں صاف الفاظ میں لکھا گیا ہے کہ دفعہ ۴۷ (۷ بی):

بشرطیکہ آرٹیکل ۶۳ کی دفعہ ۱ کا پیراگراف د: دسمبر ۲۰۰۴ء کے ۳۱ویں دن سے نافذ ہوگا۔

ساری بات بھول جایئے اور اسے بھی نظر انداز کر دیجیے کہ دفعہ ۶۳ میں کیا گنجایش ہے اور کیا نہیں ہے، صرف یہ بات کہ دستور کی اس شق میں صدر کے لیے دفعہ ۶۳ کے operative ہونے کا واضح اقرار موجود ہے اس دلیل کے تار و پود بکھیر دیتا ہے کہ دفعہ ۶۳ کا تعلق صرف رکن اسمبلی سے ہے، صدر سے نہیں۔

رہا یہ مسئلہ کہ کیا موجودہ اسمبلیاں اگلے پانچ سال کے نئے صدر کا انتخاب کرسکتی ہیں یا نہیں، اس کا تعلّق دستور اور علم سیاست کے ایک بنیادی اصول سے ہے۔ معاملہ اسمبلی کا ہو یا صدر کا، ایک خاص مدت کے بعد انتخاب کی ضرورت صرف ایک وجہ سے ہوتی ہے اور وہ یہ ہے کہ عوام، جو اصل حکمران ہیں اور جن کی تائید اور اعتماد کے بغیر نظام کو جواز (legitimacy) حاصل نہیں ہوتا، ان سے زندگی میں صرف ایک بار استصواب کافی نہیں بلکہ وقفہ وقفہ سے ان سے نیا مینڈیٹ لیے بغیر نظامِ حکمرانی جمہوری اور دستوری قرار نہیں دیا جاسکتا۔ نیا انتخاب دراصل نیا مینڈیٹ ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جو اسمبلی اپنا مینڈیٹ ختم کرچکی ہو وہ آیندہ کے لیے کسی اور کو مینڈیٹ کیسے دے سکتی ہے؟ اتنی صاف بات اور ایسے مسلمہ اصول کو نظرانداز کر کے قانونی موشگافیاں کی جارہی ہیں اور بظاہر پڑھے لکھے لوگ یہ کھیل کھیل رہے ہیں اور بڑی ڈھٹائی سے یہاں تک کہتے ہیں کہ اگر صوبائی اسمبلیاں، سینٹ کے ارکان کو ۹ سال کے لیے منتخب کرسکتی ہیں تو قومی اسمبلی، سینٹ اور صوبائی اسمبلیاں صدر کو ۱۰ سال کے لیے کیوں منتخب نہیں کرسکتیں حالانکہ یہ صریح خلط مبحث ہے۔ سینٹ ناقابلِ تحلیل ہے اور اس میں نیا مینڈیٹ حاصل کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ ہر تین سال کے بعد نصف ارکان کا نیا انتخاب ہوتا ہے اور اس پورے عمل میں سینٹ اور صوبائی اسمبلیاں فطری تبدیلی کے ساتھ کام کرتی ہیں۔ رہا معاملہ صدر کے انتخاب کا تو وہ الیکٹرول کالج کے ہر بار نئے مینڈیٹ کا تقاضا کرتا ہے اور یہ مینڈیٹ مرکزی اور صوبائی اسمبلیوں کے لیے نئے انتخاب ہی سے حاصل ہوسکتا ہے ورنہ اسے صریح انتخابی دھاندلی کے کوئی اور نام نہیں دیا جاسکتا۔

البتہ اس سلسلے میں ایک اعتراف ضروری ہے۔ ایل ایف او کے ذریعے دستور کی دفعہ ۲۲۴ میں ایک لفظ کی تبدیلی سے قومی اسمبلی کے انتخاب کے دورانیے کو تبدیل کردیا گیا جس نے موجودہ دھاندلی کے لیے گنجایش پیدا کی ورنہ اسمبلیاں اپنی مدت پوری کرنے سے ۶۰ دن پہلے نئے انتخاب کے لیے آپ سے آپ تحلیل ہوجاتیں۔ ہمیں اس غلطی کا اعتراف کرنا چاہیے کہ سترھویں ترمیم کے موقعے پر ایم ایم اے کی مذاکراتی ٹیم نے اس دُوررس تبدیلی کا نوٹس نہیں لیا۔ اصل دفعہ یہ تھی:

"A general election to the National Assembly or a Provincial Assembly shall be held within a period of

sixty days immediately PRECEDING the day on which the term of the Assembly is due to expire".

ایل ایف او کے ذریعے لفظ PRECEDING کو تبدیل کر کے FOLLOWING لکھ دیا گیا۔ اس کی آج implication یہ ہے کہ اسمبلیوں کا انتخاب ۱۶ اکتوبر کے ۶۰ دن بعد تک کیا جاسکتا ہے' جب کہ اصل دستوری شق کی روشنی میں یہ انتخاب ۱۶ اکتوبر سے پہلے ۶۰ دن قبل ہوجانا چاہیے تھا۔ اس طرح صدر کی مدت (پانچ سال) ختم ہونے سے پہلے اسمبلیوں کے انتخابات لازماً ہوچکے ہوتے۔ کمال ہوشیاری بلکہ عیاری سے یہ یک لفظی ترمیم دستور میں کی گئی اور 'انتہاے سادگی سے کھا گیا مزدورمات' کے مترادف ہم سب یہ دھوکا کھا گئے۔ ضمناً یہ بھی عرض کردیں کہ دستور کی دفعہ ۴۱ (۷ بی) میں بھی اگر ۶۳ (۱ ڈی) کے ساتھ دفعہ ۴۳ کا اندراج کرا لیا جاتا تو پھر ۳۱ دسمبر ۲۰۰۴ء کے بعد باوردی صدارت کے لیے آگے بڑھنے کا کوئی چور دروازہ باقی نہ رہتا۔ خوداحتسابی کا تقاضا ہے کہ ان پہلوؤں پر بھی نگاہ ڈالی جائے اور دستوری اور قانونی معاملات کو جس قانونی مہارت اور عرق ریزی سے انجام دینے کی ضرورت ہے' اس کا پورا پورا اہتمام کیا جائے۔ جو دھوکا حکمرانوں نے دیا' وہ صریح وعدہ خلافی تھی اور دوعہدوں کا قانون دستور اور معاہدہ دونوں کے خلاف تھا مگر کچھ کوتاہیاں ہماری طرف سے بھی رہیں جن کے بارے میں آیندہ سبق سیکھنا ضروری ہے۔

رہا معاملہ ان امور کے بارے میں عدالت کی مداخلت کی ضرورت کا' تو ہم صرف اتنا ہی عرض کریں گے کہ عدالت عظمٰی کی ذمہ داری دستور کے تحت قانون کی تعبیر اور دستور کی حفاظت کی ہے اور اس وقت دستور اور اس کے تحت وجود میں آنے والا پورا نظام معرضِ خطر میں ہے۔ اگر اس وقت عدالت عظمٰی اپنے فرض منصبی کو ادا نہیں کرتی تو تاریخ اور یہ قوم اسے کبھی معاف نہیں کرے گی۔ اس موقعے پر ہم عدالت عظمٰی اور قوم دونوں کو اپنے الفاظ میں نہیں' سپریم کورٹ کے جج جسٹس محمد یعقوب علی (جو بعد میں چیف جسٹس بنے) کے اس تاریخی ارشاد کی طرف متوجہ کریں گے جو انھوں نے عاصمہ جیلانی کے مشہور زمانہ کیس میں رقم کیے تھے:

میونسپل کورٹس کے جج جنھوں نے دستور کے تحفظ' بقا اور دفاع کا حلف اٹھایا ہے' حلف نہیں توڑیں گے اور نہ اعلان کریں گے کہ غاصب کی بالاتر قوت کی وجہ سے وہ اپنے

قانونی فرائض سے فارغ ہوگئے ہیں۔ اگر ججوں کو معلوم ہو کہ ریاست کے انتظامی عہدے داران کے احکامات نافذ کرنے کے لیے رضامند نہیں ہیں تو ان کے لیے صرف یہی راستہ کھلا ہے کہ اپنا منصب چھوڑ دیں۔ جو لوگ غاصب کی خدمت کرنے کے خواہش مند ہوں وہ اس کے مسلط کردہ لیگل آرڈر کے تحت عہدہ سنبھال سکتے ہیں لیکن یہ ججوں کے ذاتی فیصلے اور صواب دید پر منحصر ہے' اس کا کوئی قانونی اثر نہیں ہوگا۔ اگر وہ دوسرا راستہ اختیار کریں تو وہ یہ تسلیم کر رہے ہوں گے کہ 'جس کی لاٹھی اُس کی بھینس' اور یوں غاصب کے شریک کار ہو جائیں گے۔ یہی نتیجہ ہوگا اگر وہ اپنے حلف کو نظرانداز کر دیں' قومی نظام کی تباہی کو جائز تسلیم کرلیں اور غاصب کے غیر قانونی' انتظامی اقدامات کو تسلیم کریں۔

آج جنرل پرویز مشرف کی پوزیشن جنرل یحییٰ خان کی پوزیشن سے سرِمُو بھی مختلف نہیں۔ کیا آج کی عدالت اپنا فرض ادا کرے گی اور حقیقی فراست اور جرأت کا مظاہرہ کرتے ہوئے عدل و انصاف کا بول بولا کر کے اس ملک میں عدلیہ کی عزت اور وقار اور اس پر عوام کے اعتماد کو نئی بلندیوں سے ہم کنار کرنے کا کارنامہ انجام دے گی؟

بلاشبہہ عدالت دستور اور قانون کے دائرے میں ہی اپنا فیصلہ دے گی اور یہی اس کی ذمہ داری ہے لیکن یہ بھی ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ عدالت دستور اور قانون کے الفاظ کے ساتھ اصولِ قانون' تعبیرِ دستور کے مسلمہ قواعد اور اپنے فیصلوں کے سیاسی اور اخلاقی مضمرات سے صرفِ نظر نہیں کرسکتی۔ یہ 'نظریۂ ضرورت' کی قبیل کی کوئی شے نہیں بلکہ اس کا تعلق مقاصدِ قانون اور روحِ دستور سے ہے___ یعنی ملک میں دستور کا بنیادی ڈھانچا اور نظامِ حکومت کے اصول اور فریم ورک۔ دستور کا گہری نظر سے مطالعہ کیا جائے تو اس کے چار ہی بنیادی ستون ہیں:

① قرارداد مقاصد اور دستور کا اسلامی کردار

② پارلیمانی جمہوریت

③ وفاقی نظام

④ عوام دوست فلاحی معاشرے کا قیام

ان چاروں بنیادی ستونوں کی روشنی میں اگر حالات کا جائزہ لیا جائے تو اس وقت جنرل مشرف اور ان کے صدارتی انتخاب کا تعلق محض ایک فرد کی ذات سے نہیں بلکہ وہ اب عنوان ہیں اس پورے سیاسی' نظریاتی اور تہذیبی کش مکش کا جس میں آج ملک اور قوم مبتلا ہیں۔ اس کے پانچ پہلو ایسے ہیں جن پر توجہ مرکوز کیے بغیر اس کش مکش کا صحیح شعور و ادراک ممکن نہیں جو آج درپیش ہے۔

● پہلی چیز آمریت اور جمہوریت میں سے ایک کا انتخاب ہے۔ جمہوریت اور شخصی حکمرانی ساتھ ساتھ نہیں چل سکتے' یہ ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ جنرل پرویز مشرف کے آٹھ سالہ دور سے یہ بات ثابت ہوگئی ہے کہ ان کا مزاج' طریق کار' اندازِ حکمرانی شخصی آمریت کی بدترین شکل ہے۔ انھوں نے ملک کے دستور کو ہر سطح پر مسخ کر دیا ہے۔ پارلیمانی نظام پر صدارتی نظام کو مسلط کر دیا ہے۔ وزیراعظم' کابینہ اور پارلیمنٹ ان کے مُہرے ہیں اور تابع مہمل۔ وزیراعظم شامل باجا ضرور ہیں لیکن ملک کے چیف ایگزیکٹو کا کردار جنرل صاحب ادا کر رہے ہیں اور نظامِ حکومت ان کے اشارے پر اور ان کے معتمد علیہ ساتھیوں کے ذریعے (جو فوجی اور سول بیوروکریسی کا ایک مخصوص ٹولہ ہے) چلایا جا رہا ہے۔ اس کا سب سے واضح مظاہرہ پیپلز پارٹی کی رہنما محترمہ بے نظیر بھٹو صاحبہ سے صدر کی مذاکراتی ٹیم کی شکل میں ہوا' جو صدر' ان کے چیف آف اسٹاف' آئی ایس آئی کے حاضر سروس جرنیل اور قومی سلامتی کونسل کے سیکرٹری اور صدر صاحب کے معتمد علیہ بیوروکریٹ پر مشتمل تھی۔

یہی وجہ ہے کہ جنرل صاحب وردی اتار کر نئے انتخابات کے ذریعے وجود میں آنے والی قومی و صوبائی اسمبلیوں سے عام شہری کی طرح دستور کے تحت صدارت کے حصول کے لیے مقابلہ کرنے کی ہمت نہیں رکھتے۔ وہ چاہتے ہیں کہ وردی سمیت اپنے کو قوم پر مسلط کر دیں اور پھر اپنے زیرانتظام اور صرف اپنی مرضی کے مطابق انتخابات کا ڈھونگ رچائیں۔ موجودہ اسمبلیوں سے اور وردی کے ساتھ صدارت کا انتخاب جمہوریت کا گلا گھونٹنے اور جمہوریت کو بیخ و بُن سے اُکھاڑنے کے منصوبے کا حصہ ہے۔ یہ کھلی کھلی شخصی آمریت کے لیے راہ ہموار کرنے کی سازش ہے۔ اور اگر

اس کا راستہ اس پہلے قدم پر نہ روکا گیا تو پھر دستور کی بالادستی اور عوام کی ان کے حقیقی نمایندوں کے ذریعے حکمرانی کا خواب شرمندۂ تعبیر نہیں ہوسکتا۔

● دوسرا بنیادی مسئلہ (issue) ملک کی سیاست میں فوج کے کردار کا ہے اور فوج کے ساتھ ہیئت حاکمہ (establishment) کے گٹھ جوڑ کا ہے۔ جس کے دوسرے شریک سول انتظامیہ کا ایک بااثر گروہ اور سیاسی میدان کے مفاد پرست عناصر ہیں۔ یہ وہ ہیئت حاکمہ ہے جو ملک پر قابض ہے اور کسی صورت اقتدار پر اپنی گرفت چھوڑنے اور ملک کے عوام کو اپنی قسمت کا مالک ہونے کا موقع نہیں دینا چاہتی بلکہ عوام کی حاکمیت میں اپنے اقتدار کی موت دیکھتی ہے۔ مسلم لیگ (ق) جو ق نہیں دراصل پرویز مشرف لیگ (PML) بن چکی ہے اور ایم کیو ایم اس کے کلیدی کردار ہیں۔ آیندہ انتخاب اس سلسلے میں ایک فیصلہ کن مرحلے کی حیثیت رکھتے ہیں۔ کیا یہی پیرانِ تسمہ پا ملک پر مسلط رہتے ہیں یا عوام کے حقیقی نمایندے منصفانہ سیاسی عمل کے ذریعے اقتدار کی باگ ڈور سنبھالتے ہیں۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ اس فوجی سول ہیئت حاکمہ سے نجات طویل اور دانش مندانہ حکمت عملی کے ذریعے ہی حاصل کی جاسکے گی لیکن اس کا پہلا قدم آزاد اور منصفانہ انتخاب کے ذریعے ایسی اسمبلیوں کا وجود میں آنا ہے جو فوج اور انتظامیہ (بشمول لوکل گورنمنٹ اور پولیس) کی بیساکھیوں اور ایجنسیوں کی سیاست سے آزاد ہوں اور عوام کے حقیقی نمایندوں کا کردار ادا کرسکیں۔

● تیسرا بنیادی مسئلہ اس وقت پاکستان کی آزادی اور خودمختاری کا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ آج ہماری خارجہ سیاست، ہماری معیشت، حتیٰ کہ ہمارا نظامِ تعلیم اور ہماری تہذیبی زندگی پر امریکا اور اس کا سامراجی ایجنڈا اس حد تک حاوی ہوگیا ہے کہ اب حکمران نہ صرف بیرونی قوتوں کے دباؤ میں ہیں بلکہ ان کے آلۂ کار بن گئے ہیں۔ جس طرح ملک کی فوج کو اپنی قوم کے خلاف استعمال کیا جارہا ہے، جس طرح پورے قبائلی علاقے کو سول وار کی آگ میں دھکیل دیا گیا ہے، جس طرح بلوچستان میں خانہ جنگی کی کیفیت پیدا کر دی گئی ہے، جس طرح اسلام آباد میں مسجد اور مدرسے کی تقدیس کو پامال اور معصوموں کے خون سے ہولی کھیلی گئی ہے، جس طرح دینی تعلیمی نظام کو تباہ و برباد کرنے کی کوششیں کی جارہی ہیں، جس طرح قومی تعلیمی پالیسی کو بیرونی طاقتوں کے اشاروں پر بدلا جارہا ہے، جس طرح کراچی جیسے شہر کو فسطائی قوتوں کی گرفت میں دے دیا گیا ہے، جس طرح

عدالتوں کو متاثر کرنے کی کوشش کی جارہی ہے، جس طرح پاکستان کی نیوکلیر صلاحیت کو منجمد کیا گیا ہے اور ملک کی خارجہ اور داخلہ ہر پالیسی کو امریکا کے نئے قانون بسلسلہ نائن الیون کمیشن کی زد میں دے دیا گیا ہے اور ہر قسم کی بیرونی امداد کو اس سے نتھی کر دیا گیا ہے ___ وہ ملک کی آزادی اور حاکمیت پر ضربِ کاری ہے۔

اب تو یہ مداخلت اس مقام پر پہنچ گئی ہے کہ امریکا، برطانیہ اور اس کے اشاروں پر چلنے والے دوسرے حکمران آیندہ کے سیاسی دروبست کی صورت گری فرما رہے ہیں۔ سیاسی اتحاد بنانے کا کام ان کے اشارے پر اور ان کی عملی شراکت سے ہو رہا ہے، اور کسے ملک میں آنے دیا جائے گا اور کسے اغوا کر کے ملک بدر کر دیا جائے گا، اس کام میں بھی حکمران، بیرونی ایجنسیاں، برطانیہ کا دفتر خارجہ اور امریکا کا اسٹیٹ ڈیپارٹمنٹ، سب ملوث (involve) ہیں۔ اس کے بعد ہماری آزادی اور خودمختاری کی کیا حیثیت رہ گئی ہے۔

اس وقت قوم کے سامنے یہ بنیادی سوال ہے کہ آیندہ اس کے حکمران امریکا اور برطانیہ کے مقرر کردہ اور پسندیدہ افراد ہوں گے یا وہ جو پاکستانی قوم کے معتمد علیہ، صرف اپنی ملت کے مفاد اور عزائم کے ترجمان ہوں اور اس کے سامنے جواب دہ ہوں۔ بھارتی کالم نگار پرافل بیدوائی (Praful Bidwai) جس کے مضامین پاکستانی اخبارات میں باقاعدگی سے شائع ہوتے ہیں، کتنا لطف لے کر ہماری قیادت کے امریکا کے کٹھ پتلیوں کا کردار ادا کرنے کا ذکر کرتا ہے:

> امریکا پاکستان کے معاملات میں جارحانہ طور پر مداخلت کر رہا ہے اور اس کی فوجی حکومت کو خفیہ لیکن مضبوط حمایت فراہم کر رہا ہے۔ اگرچہ امریکا کا کہنا ہے کہ نواز شریف کی جلاوطنی پاکستان کا داخلی مسئلہ ہے، سب کو معلوم ہے کہ جنوبی وسطی ایشیا کے اسسٹنٹ سکرٹری آف اسٹیٹ رچرڈ باؤچر خاص اس موقع پر، جب کہ نواز شریف کے اخراج کا ڈراما روبہ عمل تھا، اسلام آباد میں موجود تھے۔ رچرڈ باؤچر نے عملاً واشنگٹن کے وائسرائے کی حیثیت سے کام کیا ہے اور اس مفروضے پر کہ طالبان اور القاعدہ کے خلاف امریکا کی جنگ میں وہ ایک قابلِ اعتماد حلیف ہے، حکومت کو مشورہ دینے اور اس کی بقا یقینی بنانے کے لیے ہر چھٹے ہفتے اوسطاً ایک چکر لگاتے رہے۔ اسلام آباد میں

ڈپٹی سکرٹری آف اسٹیٹ اور سابق نیشنل انٹیلی جنس ڈائرکٹر جان نیگرو پونٹے بھی ان کے ساتھ شریک تھے۔ واضح رہے کہ امریکا چاہتا ہے کہ مشرف اور پاکستان کی سیاسی طاقتوں خصوصاً مسز بھٹو کی پیپلز پارٹی کے درمیان شراکت اقتدار کے نظام کی براہِ راست نگرانی کرے۔ گذشتہ مہینے ہی پرویز مشرف ایمرجنسی لگانے کا ارادہ کر رہے تھے لیکن رات کو ۲ بجے سکرٹری آف اسٹیٹ کونڈولیزا رائس نے ۱۷ منٹ کی طویل ٹیلی فون کال میں انھیں اس سے متنبہ کیا۔ ہر کوئی اندازہ لگا سکتا ہے کہ موجودہ حالات میں امریکا کا رویہ کیا ہوگا۔ اگر وہ اپنے مخصوص فوری مقاصد کے حصول کے طریقے کے مطابق، یعنی 'کسی بھی قیمت پر دہشت گردی کے خلاف' اس کی اصل دل چسپی ہوئی تو پرویز مشرف کے ان مہم جویانہ اقدامات کا ساتھ دے گا جو وہ پُرتشدد ہنگاموں کو محدود رکھنے کے لیے اور کسی طرح اس ڈیل کو بچانے کے لیے کرے جو وہ مسز بھٹو سے کرنا چاہ رہا ہے......

امریکا بے نظیر بھٹو کی شراکت اقتدار کی ڈیل صرف اس لیے نہیں چاہتا ہے کہ انھوں نے امریکا کا کہا پورا کرنے کا وعدہ کیا ہے' بلکہ اس لیے بھی کہ اسے اندیشہ ہے کہ نواز شریف معتدل اسلامی ایم ایم اے سے پھر مل جائیں گے۔

بھارت ہی کی ایک دوسری کالم نگار سیما مصطفیٰ ایشین ایج میں لکھتی ہے:

یہ بالکل واضح ہے کہ انھوں نے مکمل کنٹرول کی پوزیشن حاصل کر لی ہے۔ وہ پاکستان آتے جاتے ہیں اور بہت مدت ہوئی کہ ان کے بیانات نے اس ملک کی خودمختاری کی مقدس حد کو پار کر لیا ہے جسے انھوں نے اپنا اتحادی کہا ہے' اور جس کی اندرونی سیاست میں انھیں غیرمعمولی دل چسپی ہے۔ صدر مشرف کو پھر امریکا سے کھلی اجازت مل گئی ہے۔ بش انتظامیہ کی طرف سے ان کی حمایت بالکل واضح الفاظ میں کی جارہی ہے...... کسی کو بھی پاکستان میں حقیقی جمہوریت واپس آتی نظر نہیں آرہی۔ امریکا ستر پوشی (figleaf) کے طور پر اسے استعمال کر رہا ہے تاکہ علاقے میں اپنی مسلسل موجودگی برقرار رکھے اور دہشت گردی کے خلاف اپنی حامی قیادت کو برسرِ اقتدار لا سکے۔ موت

کا بوسہ اپنا زہر قوم میں پھیلا رہا ہے' جب کہ کسی کے پاس بھی مطلوبہ تریاق نہیں ہے۔

لندن کے اخبار گارجین میں Declan Walsh رقم طراز ہے:

مشرف کے سیاسی عزائم کے لیے بھی گھڑی کی سوئیاں آگے بڑھ رہی ہیں۔ وہ موجودہ پارلیمنٹ سے ۱۵ ستمبر اور ۱۵ اکتوبر کے درمیان صدر منتخب ہونا چاہتے ہیں۔ طاقت ور حلیف ان کی پشت پر ہیں' خاص طور پر برطانیہ اور امریکا۔ وہ پرویز مشرف کو ایک نیوکلیر اسلحے سے مسلح ملک کو مستحکم کرنے کے لیے اپنا محفوظ ترین بہترین خیال کرتے ہیں۔

سعودی انٹیلی جنس چیف کی ایک ایسی مداخلت کے بعد' یعنی ان کا گذشتہ ہفتے پاکستان آنا کہ جس کی کوئی مثال نہیں ملتی' اب نواز شریف جدہ میں بے بس ہیں۔ پاکستان کے خفیہ ادارے کے سربراہ لیفٹیننٹ کرنل اشفاق کیانی نے بھی حالیہ بھٹو مذاکرات میں کلیدی کردار ادا کیا۔ صرف یہی بات کہ مسلم دنیا میں امریکا اور برطانیہ کے اہم ترین حلیفوں کے معاملات میں خفیہ سربراہوں کو بالادستی حاصل ہے' جمہوریت کی نازک صورت حال کی نشان دہی کرتی ہے--- (گارجین '۱۱ ستمبر ۲۰۰۷ء)

● بیرونی مداخلت اور غیر ملکی آقاؤں کی خوشنودی کی تلاش ہی کا ایک شاخسانہ وہ نظریاتی کش مکش ہے جس میں غیر فطری طور پر ملک کو جھونک دیا گیا ہے اور قومی اتفاق راے پیدا کرنے کے بجاے قوم کو دو بڑے دھاروں میں بانٹنے اور ان کو ایک دوسرے کے خلاف صف آرا کرنے کا کھیل کھیلا جا رہا ہے۔ ہمارا اشارہ ہے ایک طرف نام نہاد انتہا پسندی اور مذہبی شدت پسندی کا کیمپ اور دوسری طرف روشن خیال' میانہ رو اور لبرل عناصر کا اکٹھ۔ کبھی مُلّا ملٹری اتحاد کی بات کی جاتی ہے اور کبھی ملٹری اور لبرل عناصر کے الائنس کی' حالانکہ اصل کش مکش مفاد پرست عناصر اور عوام الناس اور ملک کی عظیم اکثریت کے درمیان ہے۔ اس سے توجہ ہٹانے اور اپنے مفادات کو مستحکم کرنے کے لیے ہر جرم معاف اور ہر گناہ ثواب بن جاتا ہے اور جن کو جنرل صاحب نے اپنی کتاب میں چور' لٹیرے اور قومی سلامتی کے لیے خطرہ قرار دیا تھا' ان ہی سے سیاست کی پینگیں بڑھائی جاتی ہیں' شراکت اقتدار کی بساط بچھانے کے لیے بھاگ دوڑ کی جاتی ہے۔ حالانکہ نہ تو

انتہا پسندی ہمارا مسئلہ ہے اور نہ نام نہاد روشن خیالی۔ یہ سب امریکا کے شاطروں کے کھیل ہیں اور ہمارے جرنیل اور نام نہاد لبرل اس کے مہرے بنے ہوئے ہیں۔ شیعہ سُنّی کی کش مکش کا ڈراما بھی اس کھیل کا حصہ ہے۔

قوم کو اس نظریاتی کش مکش سے نکالنے اور پاکستان کی نظریاتی بنیادوں کی روشنی میں قومی یک جہتی اور مفاہمت پیدا کرنے کی ضرورت ہے جس کی راہ میں جرنیلی قیادت اور امریکا سے حکمرانی کی پرچیاں حاصل کرنے والے سب سے بڑی رکاوٹ ہیں۔

● ایک پانچواں مسئلہ جسے بہت سوچ سمجھ کر نہایت ماہرانہ انداز میں اٹھایا جا رہا ہے وہ دو حکمت عملیوں کے درمیان مقابلے کا ہے جس میں سے ایک کو تصادم خیز (confrontationist) اور دوسرے کو تدریجی تبدیلی (transitionalist) کے داعی کے روپ میں پیش کیا جا رہا ہے اور تصادم انگیزی کی تہمت دینی قوتوں اور مسلم لیگ (ن) پر لگائی جا رہی ہے، جب کہ مشرف لیگ، ایم کیو ایم اور پی پی پی کو تدریجی تبدیلی کے علَم بردار بنا کر پیش کیا جا رہا ہے۔ یہ اندازِ بیاں صرف امریکا اور جنرل پرویز مشرف ہی نے اختیار نہیں کیا بلکہ خود محترمہ بے نظیر بھٹو بھی اسی زبان میں کلام فرما رہی ہیں اور اپنے مضامین میں یہی ہَوا کھڑا کر رہی ہیں۔ لطف یہ ہے کہ دعوے تو یہ کیے جا رہے ہیں لیکن تصادم کا راستہ مُکّے دکھا کر خود جرنیل صاحب اختیار کر رہے ہیں۔ وکلا اور سول سوسائٹی کے پُرامن احتجاج کا راستہ ۱۲ مئی کو ایم کیو ایم کے مسلح دستوں (armed squads) نے روکا اور جنرل صاحب نے ادھر اسلام آباد میں ہاتھ اٹھا کر اسے عوامی قوت کی فتح قرار دیا۔ سپریم کورٹ کے میاں نواز شریف کے حق واپسی اور ملک میں محفوظ داخلے کے حکم کے پرخچے اڑانے اور عدالت کی کھلی کھلی خلاف ورزی کرنے اور سینہ زوری کا رویہ اختیار کیا گیا۔ اے پی ڈی ایم کے پُرامن جمہوری احتجاج کو قوت کے ذریعے روکنے، ہزاروں کارکنوں اور قائدین کو گرفتار کرنے اور اظہار رائے پر پابندیاں لگانے کا کام کیا جا رہا ہے۔ عدالت عظمٰی کے فیصلے کا انتظار کیے بغیر صدارتی اعلان کا نامناسب عجلت (indecent haste) سے اہتمام کیا جا رہا ہے اور مقابل کی جمہوری قوتوں کو تصادم انگیزی کے عنوان سے اُچھالا جا رہا ہے۔

یہ پانچ بڑے بڑے مسائل ہیں جو اس وقت قوم کے سامنے ہیں اور آنے والے انتخابات

ہی وہ میدان ہیں جن میں ان تمام مسائل اور چیلنجوں کا حل نکالا جاسکتا ہے۔ راستہ صرف ایک ہے ـــــ منظم اور پُرامن عوامی قوت کے ذریعے صدارتی انتخاب کے ڈھونگ کو روکنا اور آزاد اور شفاف انتخابات کو حقیقت بنانا ہے۔ اس کے لیے ضروری اقدام یہ ہیں:

- جنرل پرویز مشرف اور موجودہ حکومت کا استعفا اور ایک مکمل طور پر غیر جانب دار قومی حکومت کا قیام جس کی اولین ذمہ داری انتخابات کا انعقاد ہو۔
- آزاد اور بااختیار الیکشن کمیشن کا قیام جو تمام پارلیمانی سیاسی جماعتوں کے مشورے سے ہو اور جو ووٹروں کی صحیح فہرستوں کے مطابق مکمل غیر جانب داری کے ساتھ قومی اور صوبائی انتخابات کا اہتمام کرے۔
- سب جماعتوں اور قائدین کو مساوی بنیاد پر سیاسی سرگرمیوں میں شرکت اور انتخابات میں حصہ لینے کا موقع۔
- فوج اور فوج اور سول نظام سے متعلق تمام ایجنسیوں کا سیاست سے مکمل احتراز اور ان کے فرائض کو ان کے اپنے پیشہ ورانہ دائرے تک سختی سے محدود کرنا۔
- عدلیہ اور میڈیا کی آزادی۔
- ملکی پالیسیوں کی تشکیل میں بیرونی مداخلت کا خاتمہ۔
- انتخابات کے عمل کے عالمی میڈیا کو بلاکسی رکاوٹ cover کرنے کے مواقع۔

اگر حکومت اس خالص دستوری اور جمہوری عمل کو سبوتاژ کرنے کی کوشش کرے تو اپوزیشن کی تمام جماعتوں کی مشترکہ حکمت عملی کے ذریعے آمریت کا ڈٹ کر مقابلہ کرنا' اسمبلیوں سے استعفے' عوام کو متحرک کرنا اور عوامی جدوجہد کے ذریعے آزاد اور منصفانہ انتخابات کا انعقاد' یہی وہ راستہ ہے جس سے ملک کو غیروں کی گرفت سے محفوظ رکھا جاسکتا ہے اور اقتدار پر غاصبانہ قبضہ کرنے والوں کی گرفت سے بھی نکالا جاسکتا ہے۔ ایک ملک گیر پُرامن لیکن موثر عوامی جدوجہد ہی کے راستے سے تبدیلی لائی جاسکتی ہے اور اس سلسلے میں غفلت' کوتاہی' اور سمجھوتوں کی تلاش سمِ قاتل کی حیثیت رکھتی ہے ؎

اب ہوائیں ہی کریں گی روشنی کا فیصلہ
جن دِیوں میں جان ہوگی وہ دِیے رہ جائیں گے

جہانِ ادب وصحافت

مطبوعات ادارہ معارف اسلامی

نام کتاب	مصنف	صفحات	قیمت
مولانا مودودیؒ کی نثر نگاری	ڈاکٹر امتیاز احمد	۱۹۲	۱۲۰/- روپے
صدائے رستاخیز	سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ	۵۴۴	۲۷۵/- روپے
بانگِ سحر	سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ	۴۴۴	۲۳۵/- روپے
آفتابِ تازہ	سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ	۴۵۸	۲۴۵/- روپے
جلوۂ نور	سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ	۲۱۴	۱۳۵/- روپے
ارمغانِ مودودیؒ (علمی وفکری جائزہ)	ترتیب: ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی/سلیم منصور خالد	۶۴۸	۵۰۰/- روپے
تذکرہ سید مودودیؒ (۳ جلدیں)	زیرِ نگرانی: جناب نعیم صدیقیؒ	۲۷۱۲	۱۸۷۵/- روپے
آفاقِ دعوت (سفرنامہ)	مولانا خلیل احمد حامدیؒ	۳۸۰	۱۲۰/- روپے
اسلام اور ذرائع ابلاغ	فہمی النجار	۱۳۲	۶۰/- روپے
تماشائی (ادب پارے)	م۔ نسیم	۲۵۶	۶۰/- روپے
درست اردو	پروفیسر آسی ضیائی	۱۴۸	۵۰/- روپے
لمحوں کی زنجیر (نظم)	اعجاز رحمانی	۲۷۰	۷۵/- روپے
مولانا مودودی کا سفر سعودی عرب	الاستاذ خلیل احمد حامدیؒ	۱۵۸	۶۰/- روپے
نور منارہ	لالہ صحرائی	۲۲۶	۴۵/- روپے
ماہر القادری (حیات وادبی خدمات)	ڈاکٹر عبدالغنی فاروق	۵۱۲	۲۲۵/- روپے
چمن میری امیدوں کا	لالہ صحرائی	۳۳۸	۶۰/- روپے
چراغ جلتے رہے (نظم)	صبا حسنی	۱۵۲	۳۰/- روپے
اسیرانِ روشن خیالی (روداد زنداں)	حافظ محمد ادریس	۱۴۴	۷۰/- روپے

قصہ 'کشکول' ٹوٹنے اور قرضوں کے انبار بڑھ جانے کا!

پروفیسر خورشید احمد

اونٹ بے چارہ تو ویسے ہی بدنام ہے کہ جسے دیکھو فٹ سے کہہ دیتا ہے: 'اونٹ رے اونٹ تیری کونسی کل سیدھی'۔ جنرل پرویز مشرف اور ان کے بینکر وزیراعظم جناب شوکت عزیز کی حکومت کے دعووں اور کارناموں پر زمینی حقائق کی روشنی میں نظر ڈالیے تو اونٹ سے ہمدردی بڑھ جاتی ہے کہ بے داد کے اصل مستحق کون ہیں اور بدنام کون!

'کشکول ٹوٹنے' کی بات گذشتہ چند سال سے اس تکرار کے ساتھ کہی گئی ہے کہ اب، جب کہ الیکشن کے موسم کی آمد آمد ہے' ہر سرکاری ترجمان کی زبان پر اس طرح رواں ہے کہ لوگ اسے حکمرانوں کا تکیہ کلام سمجھنے پر مجبور ہیں۔ بات دراصل یہ ہے کہ اس حکومت کے کارپرداز ہٹلر کے وزیراطلاعات (بہ الفاظ صحیح تر دروغیات) کے اس 'نسخۂ کیمیا' پر عمل پیرا ہیں کہ ''ایک جھوٹ کا اس تکرار سے اظہار کرو کہ لوگ اسے سچ ماننے لگیں''۔

جس طرح صدر بش اور امریکی انتظامیہ نے خصوصیت سے نائن الیون کے بعد ہر محاذ پر اور خصوصیت سے 'دہشت گردی کے خلاف جنگ' (امریکا کی سلامتی کو خطرہ اور 'عراق کے عام تباہی کے اسلحہ' (weapons of mass destruction) کے عنوان سے جس ڈھٹائی سے تھوک کے بھاؤ غلط بیانیوں کو اپنی پالیسی کا مؤثر آلہ بنایا ہے اسی طرح جنرل پرویز مشرف، وزیراعظم شوکت عزیز اور ان کے اشتہار بازوں نے 'معاشی فتوحات' کا سماں باندھا ہوا ہے لیکن وہ ابراہم لنکن کے اس تاریخی قول کو شاید بھول گئے کہ ''سب انسانوں کو کچھ دیر کے لیے اور کچھ افراد کو بڑی دیر تک

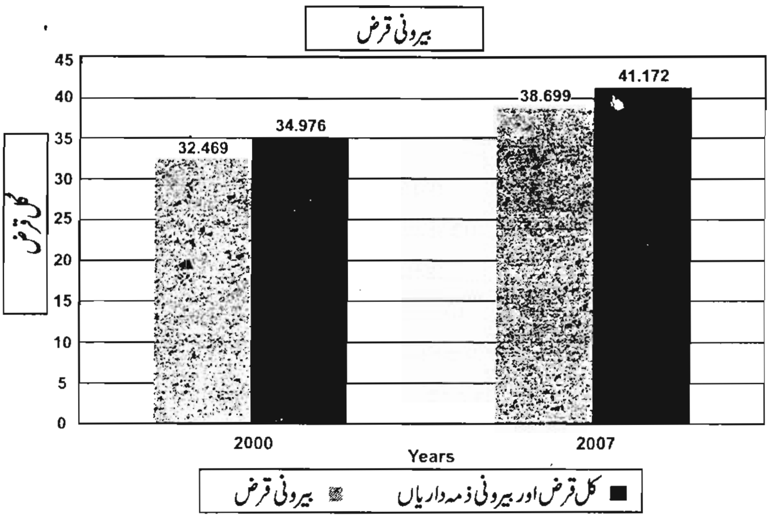
بے وقوف بنایا جاسکتا ہے مگر تمام انسانوں کو مستقل طور پر جھانسہ دینا ممکن نہیں''۔ انسانی کیفیات اور تاریخ دونوں کا فیصلہ ہے کہ جھوٹ اور غلط بیانی خواہ کیسی ہی تکرار اور کتنی ہی تحدّی سے کی جائے بالآخر اس کا پردہ چاک ہو کر رہتا ہے اور پھر دونوں کا دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہو جاتا ہے۔ جادو سر چڑھ کر بولے یا نہ بولے مگر سچ کا بالآخر بول بالا ہو کر رہتا ہے اور یہی اللہ کا قانون بھی ہے کہ جب حق ظاہر ہو جاتا ہے تو پھر باطل کے لیے پادر ہوا ہونے کے سوا کوئی چارہ نہیں رہتا۔ اس لیے کہ باطل کا تو مقدر ہی ہے کہ حق کی آمد پر دم دبا کر میدان چھوڑ دے۔ (جَآءَ الْحَقُّ وَ زَهَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا)۔

اگست ۲۰۰۷ء میں اسٹیٹ بنک آف پاکستان نے پاکستان پر قرضوں کی اصل بوجھ کے جو اعداد و شمار شائع کیے ہیں وہ 'کشکول توڑ دینے' کے فسانے کی حقیقت کو کھول کر رکھ دیتے ہیں۔ اس رپورٹ کے مطابق گذشتہ چار سال میں' یعنی ۲۰۰۳ء سے مئی ۲۰۰۷ء تک موجودہ حکومت نے بیرونی ممالک اور اداروں سے ۱۵ ارب ڈالر (۱۵ بلین ڈالر) کے نئے قرضے حاصل کیے ہیں۔ اب' یعنی اگست ۲۰۰۷ء میں بیرونی قرضوں اور ذمہ داریوں کا کل حجم ۴۰ ارب ڈالر (۴۰ بلین ڈالر) سے متجاوز ہے۔ لطف یہ ہے کہ ۲۰۰۳ء سے ۲۰۰۷ء کے چار برسوں میں پاکستان نے ۹ء۷ ارب ڈالر کی مالیت کے قرض واپس بھی کیے ہیں جس کے نتیجے میں ۲۰۰۳ء میں کل بیرونی قرضہ جو اس وقت ۳۳ء۳۵ بلین ڈالر تھا کم ہو کر ۲۳ء۶۴ ارب ڈالر ہو جانا چاہیے تھا مگر ۱۵ ارب ڈالر سے زائد کے نئے قرضے لے لیے گئے جن کی وجہ سے یہ دوبارہ ۳۸ء۶۹۹ بلین ڈالر کی حدوں کو چھونے لگا' اور اس میں اگر دوسری غیر ملکی ذمہ داریوں (liabilities) کا اضافہ کر لیا جائے تو اگست ۲۰۰۷ء میں وہ ملک جس کے کشکول توڑنے کے ڈھول پیٹے جارہے ہیں ۴۰ء۱۷۲ بلین ڈالر کا مقروض تھا۔ واضح رہے کہ اس وقت ان قرضوں کی وجہ سے صرف سود کی مد (debt-servicing) میں پاکستان کو ۳ء۳۱۴ بلین ڈالر سالانہ ادا کرنا پڑ رہے ہیں جو دراصل نئے قرضے لے کر ادا کیے جاتے ہیں اور قرض کا اصل بار نہ صرف کم نہیں ہوتا بلکہ مزید بڑھ جاتا ہے اور سب سے بڑا ظلم یہ کہ اس گراں باری کے باوجود ملک کی پیداواری صلاحیت (productive capacity) میں کوئی حقیقی اضافہ نہیں ہوتا۔

جنرل پرویز کی حکومت کے دور میں بیرونی قرضوں اور کل بیرونی ذمہ داریوں کا موازنہ کیا جائے تو صورت حال یہ بنتی ہے:

	۲۰۰۰ء	۲۰۰۷ء
• بیرونی قرضہ جات	۳۲٫۴۶۹ بلین ڈالر	۳۸٫۶۹۹ بلین ڈالر
• مجموعی مقروضیت، یعنی بیرونی قرضہ جات + بیرونی ذمہ داریاں	۳۴٫۹۷۶ بلین ڈالر	۴۱٫۱۷۲ بلین ڈالر

اگر ہم ایک نظر میں کشکول ٹوٹنے کی کرامات کو دیکھنا چاہیں تو کچھ یہ تصویر سامنے آتی ہے:



واضح رہے کہ ملک میں کی جانے والی جس بیرونی سرمایہ کاری کا بڑا شور ہے وہ ملک کی عام صنعتی پیداوار بڑھانے کا قرارواقعی ذریعہ نہیں بنی بلکہ اس کا سارا بہاؤ سروس انڈسٹری کی طرف ہے جس میں برقی مواصلات (telecommunications) اور بنکاری کو مرکزی اہمیت حاصل ہے یا اسٹاک ایکسچینج میں سٹے (speculation) پر مبنی سرمایہ کاری۔

تازہ اعداد و شمار کی روشنی میں یہ ادارے نفع کی شکل میں جو مبادلہ خارجہ ملک سے باہر لے جارہے ہیں وہ ۲۰۰۷ء میں ایک بلین ڈالر کے قریب ہوگیا ہے اور سال گذشتہ میں اس رقم میں ۶۰ فیصدی اضافہ ہوا ہے۔

اس کے ساتھ اگر ملکی قرضہ جات (domestic debt) پر بھی نگاہ ڈال لی جائے تو ہماری 'فاقہ مستی' کی تصویر مکمل ہوجاتی ہے۔ اس حکومت نے اسٹیٹ بنک کے تازہ اعدادوشمار کے مطابق جولائی ۲۰۰۶ء سے مئی ۲۰۰۷ء تک صرف ۱۱مہینوں میں ۳۰۲ء۳۴ ارب روپے کے قرضے لیے جس کے نتیجے میں حکومت پر قرض کا کُل بار بڑھ کر ۲,۵۹۹ ارب روپے ہوگیا جو اگر ڈالر کی شکل میں ظاہر کیا جائے تو ۴۲ء۶ بلین ڈالر بن جاتا ہے۔ دوسرے الفاظ میں بیرونی اور ملکی قرضوں کا بوجھ ۸۲ء۷ بلین ڈالر سے متجاوز ہے۔ اس کا سب سے افسوس ناک پہلو یہ ہے کہ یہ قرضے ملک کی پیداواری صلاحیت میں اضافے کے سلسلے میں بڑا محدود کردار ادا کر رہے ہیں اور یہ اربوں روپے بڑی حد تک سرکار کی شاہ خرچیوں اور ملک میں ہر سطح پر کرپشن کی وجہ سے صرف دولت مندوں اور مفاد پرست طبقات کی ہوس زر اندوزی کی نذر ہو رہے ہیں' جب کہ بوجھ ملک کے ۱۶ کروڑ عوام پر پڑ رہا ہے جس سے ان کی کمر ٹوٹ رہی ہے۔ تشویش کا ایک اور پہلو یہ ہے کہ اس صورت حال کو پیدا کرنے کا بڑا سبب بجٹ کا خسارہ ہے جو ۰۳-۲۰۰۲ء میں ۱۳۴ ارب روپے تھا، جو ۰۷-۲۰۰۶ء میں بڑھ کر ۳۷۷ء۵۳ ارب روپے ہو چکا ہے۔ دوسری طرف بین الاقوامی تجارت کا خسارہ ہے جو اس سال ۱۷ بلین ڈالر سے زیادہ ہے اور توازن ادائیگی (balance of payments) کا خسارہ ۶ ارب ڈالر سے بھی بڑھ گیا ہے۔

ایک طرف قرضوں کا یہ پہاڑ ہے اور تجارت اور ادائیگیوں اور بجٹ کا خسارہ ہے اور دوسری طرف عوام کی غربت اور بھوک۔ بین الاقوامی معیار کے مطابق ۲ ڈالر یومیہ فی کس آمدنی کو بنیاد بنایا جائے تو ملک کی کل آبادی کا ۷۳ فی صد غربت کی لکیر سے نیچے زندگی گزار رہا ہے۔ بے روزگاری جو ۱۹۹۰ء کی دہائی میں ۵ فی صد سے کچھ زیادہ تھی اب بڑھ کر ۷ اور ۸ فی صد ہو چکی ہے۔ اور مہنگائی کا یہ حال ہے کہ غریب تو غریب متوسط طبقے کے لیے بھی زندگی کی کم سے کم ضروریات بھی پورا کرنا محال ہے ___ کیا یہی وہ معاشی فتوحات ہیں جن کی خاطر اس جرنیلی آمریت نے ملک کی آزادی، سلامتی اور حاکمیت تک کو امریکا کی گرفت میں دے دیا ہے؟

سنت اور عاداتِ رسولؐ کا فرق

سنت کے متعلق لوگ عموماً یہ سمجھتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ اپنی زندگی میں کیا ہے وہ سب سنت ہے۔ لیکن یہ بات بڑی حد تک درست ہونے کے باوجود ایک حد تک غلط بھی ہے۔ دراصل سنت اس طریق عمل کو کہتے ہیں جس کے سکھانے اور جاری کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبیؐ کو مبعوث کیا تھا۔ اس سے شخصی زندگی کے وہ طریقے خارج ہیں جو نبیؐ نے بہ حیثیت ایک انسان ہونے کے یا بہ حیثیت ایک ایسا شخص ہونے کے جو انسانی تاریخ کے خاص دور میں پیدا ہوا تھا، اختیار کیے۔ یہ دونوں چیزیں کبھی ایک ہی عمل میں مخلوط ہوتی ہیں اور ایسی صورت میں یہ فرق و امتیاز کرنا کہ اس عمل کا کون سا جز، سنت ہے اور کون سا جز عادت، بغیر اس کے ممکن نہیں ہوتا کہ آدمی اچھی طرح دین کے مزاج کو سمجھ چکا ہو۔

اصولی طور پر یوں سمجھیے کہ انبیا علیہم السلام انسان کو اخلاقِ صالحہ کی تعلیم دینے اور زندگی کے ایسے طریقے سکھانے کے لیے آتے رہے ہیں جو فِطْرَةَ اللّٰهِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْهَا [الروم ۳۰:۳۰] کے ٹھیک منشا کے مطابق ہوں۔ ان اخلاقِ صالحہ اور فطری طریقوں میں ایک چیز تو اصل و روح کی حیثیت رکھتی ہے اور دوسری چیز قالب و مظہر کی حیثیت۔ بعض امور میں روح اور قالب دونوں اسی شکل میں مطلوب ہوتے ہیں جس شکل میں نبی اپنے قول و عمل سے ان کو واضح کرتا ہے اور بعض امور میں روح اخلاق و فطرت کے لیے نبی اپنے مخصوص تمدنی حالات اور اپنی مخصوص افتادِ مزاج کے لحاظ سے ایک خاص عملی قالب اختیار کرتا ہے اور شریعت کا مطالبہ ہم سے صرف یہ ہوتا ہے کہ ہم اس روحِ اخلاق و فطرت کو اختیار کرلیں، رہا وہ عملی قالب جو پیغمبر نے اختیار کیا تھا تو اسے اختیار کرنے یا نہ کرنے کی شرعاً ہم کو آزادی ہوتی ہے۔ پہلی قسم کے معاملات میں سنت روح اور قالب دونوں کے مجموعے کا نام ہے، اور دوسری قسم کے معاملات میں سنت صرف وہ

روحِ اخلاق وفطرت ہے جو شریعت میں مطلوب ہے نہ کہ وہ عملی قالب جو صاحبِ شریعت نے اس کے اظہار کے لیے اختیار کیا۔

مثال کے طور پر دین کا منشا یہ ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اس کا ذکر کریں۔ اس کے لیے نبی نے بعض اعمال تو ایسے اختیار کیے جن کی روح اور عملی قالب دونوں سنت ہیں اور دونوں کی پیروی ہم پر لازم ہے، مثلاً نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ وغیرہ اور بعض طریقے آپ نے ایسے اختیار کیے جن کی روح تو ہمارے اعمال میں ضرور پائی جانی چاہیے لیکن قالب کی ہو بہو پیروی کرنا لازم نہیں ہے، بلکہ ہم کو آزادی دی گئی ہے کہ ہم اس روح کے ظہور کے لیے جو عملی قالب مناسب سمجھیں اختیار کریں، مثلاً دعائیں اور وہ عام اذکار جو حضوؐر وقتاً فوقتاً کرتے تھے۔ ہم پر یہ لازم نہیں ہے کہ ہم بعینہٖ انھی الفاظ میں دعائیں مانگیں جن الفاظ میں حضوؐر مانگتے تھے، البتہ سنت کی پیروی کا تقاضا یہ ہے کہ ہم ان دعاؤں کے طرز اور ان کی معنوی خصوصیات کو ملحوظ رکھیں اور جن الفاظ میں بھی دعائیں مانگیں، ان کے اندر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دعاؤں کی روح موجود ہو۔

اسی طرح اذکار میں سنت صرف یہ ہے کہ آدمی اپنی زندگی کے مختلف حالات واعمال میں خدا کو یاد کرتا رہے، اس سے استعاذہ کرے، اس سے مدد مانگے، اس کا شکر ادا کرے اور اس سے طلبِ خیر کرے۔ اس سنت کو حضوؐر نے اپنی عملی زندگی میں اُن مختلف اذکار کے ذریعے سے ظاہر اور جاری کیا جو حدیث میں مذکور ہیں۔ اگر کوئی شخص ان اذکار کو لفظ بلفظ یاد کر کے اسی طرح ان کا التزام کرے جس طرح حدیث میں بیان ہوا ہے تو یہ مستحسن یا مستحب تو ہوسکتا ہے لیکن اسے اتباعِ سنت کا لازمی تقاضا نہیں کہا جاسکتا۔ اگر کوئی شخص اس سنت کو اچھی طرح ذہن نشین کر کے کسی دوسرے طریقے سے اس پر عمل درآمد کرے اور اس کے لیے دوسرے الفاظ اختیار کرلے تب بھی وہ بدستور متبع سنت رہے گا اور اس پر خلاف ورزیِ سنت کا الزام عائد نہ ہوگا۔

یہی فرق تمدنی اور معاشرتی حالات میں بھی ہے، مثلاً لباس میں جن اخلاقی وفطری حدود کو قائم کرنا نبیؐ کے مقاصد بعثت میں تھا وہ یہ ہیں کہ لباس ساتر ہو، اس میں اسراف نہ ہو، اس میں تکبر کی شان نہ ہو، اس میں تشبہ بالکفار نہ ہو، وغیرہ۔ اس روحِ اخلاق وفطرت کا مظاہرہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جس لباس میں کیا اُس میں بعض چیزیں تو ایسی ہیں جن کی پیروی جوں کی توں کرنی چاہیے، جیسے

ستر کے حدود اور اسبالِ ازار سے اجتناب اور ریشم وغیرہ کے استعمال سے پرہیز' اور بعض چیزیں ایسی ہیں جو حضوؐر کے اپنے شخصی مزاج اور قومی طرزِ معاشرت اور آپ کے عہد کے تمدن سے تعلق رکھتی ہیں۔ ان کو سنت بنانا نہ تو مقصود تھا' نہ ان کی پیروی پر اس دلیل سے اصرار کیا جاسکتا ہے کہ حدیث کی رُو سے اس طرزِ خاص کا لباس نبی صلی اللہ علیہ وسلم پہنتے تھے' اور نہ شرائع الٰہیہ اس غرض کے لیے آیا کرتی ہیں کہ کسی شخصِ خاص کے ذاتی مذاق یا کسی قوم کے مخصوص تمدن' یا کسی خاص زمانے کے رسم و رواج کو دنیا بھر کے لیے اور ہمیشہ ہمیشہ کے لیے سنت بنا دیں۔

سنت کی اس تشریح کو اگر ملحوظ رکھا جائے تو یہ بات بآسانی سمجھ میں آسکتی ہے کہ جو چیزیں اصطلاحِ شرعی میں سنت نہیں ہیں ان کو خواہ مخواہ سنت قرار دے دینا من جملہ ان بدعات کے ہے جن سے نظامِ دینی میں تحریف واقع ہوتی ہے۔ (رسائل و مسائل' حصہ اوّل' ص ۱۹۶-۱۹۷)

احادیث کا ایک مطالعہ

مشعل پروین ؁

ابوادریس خولانی سے روایت ہے' وہ کہتے ہیں کہ میں دمشق کی مسجد میں داخل ہوا تو میری نگاہ ایک شخص پر پڑی جس کے دانت خوب صورت اور چمک دار تھے۔ لوگ اس کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ جب ان میں کسی چیز کے بارے میں اختلاف ہوتا تو اس کی طرف رجوع کرتے۔ میں نے اس کے متعلق دریافت کیا تو مجھے بتایا گیا کہ وہ معاذ بن جبلؓ صحابی رسولؐ ہیں۔ جب اگلا دن ہوا تو میں سویرے ہی مسجد میں جا پہنچا۔ میں نے دیکھا کہ وہ مجھ سے پہلے ہی آچکے تھے اور نماز پڑھ رہے تھے۔ میں انتظار میں بیٹھ گیا یہاں تک کہ انھوں نے اپنی نماز ختم کرلی۔ پھر میں ان کے سامنے سے ان کے پاس آیا اور انھیں سلام کیا اور کہا: خدا کی قسم! میں آپ سے محبت رکھتا ہوں۔ انھوں نے کہا: کیا خدا کے لیے؟ میں نے جواب دیا: ہاں خدا کے لیے۔ انھوں نے میری چادر کا کنارا پکڑا اور مجھے اپنی طرف کھینچا' پھر کہا: خوش خبری حاصل کرو۔ بے شک میں نے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جو لوگ میرے لیے ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں' اور میرے لیے ایک دوسرے کے پاس بیٹھتے ہیں' اور میرے لیے ایک دوسرے سے ملاقات کرتے ہیں' اور میرے لیے مال خرچ کرتے ہیں' ان سے محبت کرنا میرے لیے واجب ہے۔ (موطا امام مالک)

یہ حدیث مسلمانوں کے لیے بہت باعثِ تقویت ہے۔ ویسے تو لوگ آپس میں ملے جلے بغیر رہ ہی نہیں سکتے۔ ساتھ بیٹھنا' کھانا' پینا ہم انسانوں کی ضرورت ہے۔ لیکن اگر یہ سب اللہ کی محبت میں ہو اور اللہ کی خاطر ہو تو اس کے جواب میں اللہ ان لوگوں سے محبت کرتا ہے اور جس سے اللہ محبت کرے'

؁ گلشن اقبال' کراچی

اس کے لیے تو ہر منزل آسان ہو جاتی ہے۔ دین اور دنیا دونوں میں بھلائی کے دروازے کھل جاتے ہیں' اور قیامت کے دن وہ لوگ انبیا' صدیقین اور شہدا کے ساتھ ہوں گے۔

○

حضرت ابوموسیٰؓ بیان کرتے ہیں کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو ہدایت اور علم مجھے دے کر بھیجا گیا ہے اس کی مثال بارش کی سی ہے کہ وہ زمین پر برسی۔ اس زمین میں ایک عمدہ حصہ تھا اس نے پانی کو قبول کیا' اور اس میں کثرت سے گھاس اور تازہ سبزہ اُگا۔ اس زمین میں خشک حصہ بھی تھا' اس نے پانی کو روک لیا۔ پس اس رکے ہوئے پانی سے اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو نفع پہنچایا۔ انھوں نے خود پانی پیا اور پلایا اور کھیتی باڑی کی۔ یہ بارش زمین کے ایک اور حصے پر بھی برسی جو صاف چٹیل میدان تھا کہ نہ اس نے پانی روکا اور نہ گھاس اُگائی۔ (بخاری)

اس حدیث میں رسولؐ اللہ کی لائی ہوئی کتاب کو قبول کرنے والے کو ایسی زمینوں سے تشبیہ دی گئی ہے جن میں سے ایک تو بارش کے پانی کو جذب کر کے سرسبز و شاداب ہو جاتی ہے اور دوسری اگرچہ سرسبز نہیں ہوتی' تاہم بارش کے پانی کو روک لیتی ہے جس سے لوگ اور اللہ کی دوسری مخلوق فائدہ اٹھاتی ہے۔ اسلام بارانِ رحمت کی مانند ہے۔ اس رحمت سے وہی لوگ فائدہ حاصل کرتے ہیں جو اس کی طرف بڑھتے ہیں اور قبول کرتے ہیں۔ اسلام دینِ فطرت ہے۔ جب کوئی شخص اسلام کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنا لیتا ہے تو وہ خود بھی پُرسکون ہو جاتا ہے اور دوسروں کے لیے بھی تسکین کا باعث بن جاتا ہے۔ اسلام قبول کرنے کے بعد انسان اس کا پیامبر بن جاتا ہے اور لوگوں کے لیے فیض کا باعث بن جاتا ہے۔ لیکن جو لوگ اسلام کو قبول نہیں کرتے' وہ چٹیل زمین کی طرح ہوتے ہیں' نہ خود اپنے لیے فائدہ مند ہوتے ہیں اور نہ دوسروں کے لیے۔

○

حضرت ابوذرؓ سے روایت ہے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کسی نیکی کو حقیر نہ سمجھو خواہ تمھارا اپنے بھائی کے ساتھ خندہ پیشانی سے ملاقات کرنا ہی کیوں نہ ہو۔ (مسلم)

نیکی بہت قیمتی چیز ہے۔ ایک مسلمان نیکی حاصل کرنے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتا اور کسی نیکی کو بھی کم تر سمجھ کر نہیں کھوتا۔ حتیٰ کہ ایک ایسا شخص جس سے کوئی خاص قلبی تعلق نہیں ہوتا لیکن اگر اس سے ملاقات ہو جاتی ہے تو انتہائی عاجزی' انکسار اور محبت سے اس سے ملتا ہے۔

○

حضرت حارثہؓ بن وہب سے روایت ہے' رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کیا تمھیں دوزخیوں کے متعلق نہ بتاؤں کہ (کون کون ہیں)؟ ہر سرکش' اُجڈ' متکبر (دوزخی ہے)۔ (متفق علیہ)

دوزخ انتہائی ہولناک جگہ ہے اور اس میں صرف وہی لوگ داخل کیے جائیں گے جنھوں نے اللہ کو ناراض کیا ہوگا۔ جب یہ فرمایا جارہا ہے تو اس کا مطلب ہے کہ یہ انتہائی خراب چیزیں ہیں۔ سرکش اس کو کہیں گے جو پابندی قبول کرنے کے بعد بھی اپنے آپ کو پابند نہ کرسکا' یعنی خرابیوں کے علم کے باوجود من مانی کی۔ اُجڈ' جاہل شخص کو کہا جاتا ہے۔ اصل میں تو زیادہ تر خرابیاں جہالت ہی کی بنا پر وجود میں آتی ہیں۔ آنکھیں بند کرلینا' دل کو پردے میں بند کرلینا اور کچھ سمجھنے کی کوشش نہ کرنا پہلی خرابی ہے اور پھر اس کے بعد انسان خرابیوں کی طرف بڑھتا چلا جاتا ہے۔ تکبر بھی ایک ایسی بیماری ہے جو انسان کو ہر جگہ ذلیل کرتی ہے۔ تکبر کی بنا پر انسان لوگوں کی نظروں میں حقیر ہوجاتا ہے۔ اس لیے ان تینوں بیماریوں سے بچنے کی کوشش کرنا چاہیے۔

○

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے' رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: خیرات سے مال میں کمی نہیں ہوتی' اور معاف کرنے سے خدا بندے کی عزت بڑھاتا ہے' اور جس نے خدا کی رضا کے لیے تواضع اختیار کی' خدا اس کے درجے بلند کرتا ہے۔ (مسلم)

مال و دولت اللہ کی عطا کردہ نعمت ہے۔ اللہ نے جس کے مقدر میں جتنی دنیا رکھی ہے اس سے زیادہ اس کو نہیں مل سکتی۔ اگر عقل' علم اور محنت سے یہ چیز حاصل ہوتی تو سارے ہی عقل مند' عالم اور محنتی دولت مند ہوتے لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ عملاً ایسا نہیں ہوتا ہے۔ یہ خدا کی دین ہے' جس کو بھی دے دے۔ اب جس کو مال ملا اس کی بہتری اسی میں ہے کہ وہ اس مال کو مالک کی مرضی سے خرچ کرے۔ جب وہ اللہ کی مرضی سے خرچ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے اور ذرائع کھول دیتا ہے۔ صرف دنیا ہی نہیں بلکہ اگلی دنیا جس میں ہر انسان کو لازماً جانا ہے' بہترین ہوجاتی ہے۔ دوسری صورت میں یہ مال دنیا ہی میں نہیں' بلکہ آخرت میں بھی وبالِ جان بن جائے گا۔

اس حدیث میں دو اور باتوں کی طرف بھی توجہ دلائی گئی ہے: ایک یہ کہ لوگوں کی زیادتیوں کو معاف کرنا

اور انکسار اختیار کرنا۔ یہ دونوں ایسی عادتیں ہیں کہ اگر ان کو کوشش کر کے اختیار کرلیا جائے تو بہت حد تک انسان خوش اور مسرور رہتا ہے اور لوگ اس سے محبت کرتے ہیں۔

O

حضرت جابرؓ سے روایت ہے، رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں اپنی اُمت کے بارے میں جس چیز کا سب سے زیادہ اندیشہ کرتا ہوں وہ خواہشوں کی پیروی اور آرزو کی درازی ہے۔ خواہشوں کی پیروی حق سے روک دیتی ہے اور آرزو کی درازی آخرت کو بھلا دیتی ہے۔ اے لوگو! یہ دنیا کوچ کرچکی ہے اور جارہی ہے اور آخرت کوچ کرچکی ہے اور آرہی ہے اور ان میں سے ہر ایک کے پرستار ہیں۔ پس اگر تم ایسا کرسکو کہ دنیا کے پرستار نہ بنو تو ضرور ایسا کرو۔ اس وقت تم عمل کے گھر میں ہو جس میں حساب نہیں۔ کل تم آخرت کے گھر میں ہوگے جہاں عمل کا کوئی موقع نہیں ہوگا۔ (مشکوٰۃ)

آج دنیا اپنی پوری حشر سامانیوں کے ساتھ موجود ہے۔ اس میں وہ حُسن اور کشش پیدا کردی گئی ہے کہ دل کھنچا چلا جاتا ہے اور ایک کے بعد ایک آرزوئیں اور خواہشیں انگڑائیاں لیتی رہتی ہیں۔ آرزوئیں اور خواہشیں تو انسان ہونے کے ناطے پیدا ہوں گی لیکن اگر ان کو کوشش کر کے طول نہ دیا جائے اور ان پر قدغن لگائی جائے تو اسی میں آخرت کی بھلائی ہے۔

O

حضرت عبداللہ بن عمرؓ بیان کرتے ہیں، رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک وہ شخص کامیاب ہوگیا جو اسلام لایا اور بقدر ضرورت اس کو رزق دیا گیا۔ اور جو کچھ خدا نے اسے دیا تھا اس پر اسے قناعت دے دی۔ (مسلم)

اسلام ایک بہت بڑی دولت ہے۔ یہ دولت جس کو خدا کی رحمت سے ملی اس کو اس کی قدر اور حفاظت کرنی چاہیے۔ اس کی حفاظت کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ اللہ کی طرف سے جتنا رزق اس کو ملا صبر و شکر کے ساتھ استعمال کرے اور قناعت اختیار کرے۔ دوسروں سے امیدیں لگانا اور اپنی ضروریات کو بڑھانا اور پھر گلہ شکوہ کرنا ایک مسلمان کی شان نہیں ہے۔ اس سے مسلمان کا دین اور ایمان داغ دار ہوتا ہے، اور پھر دن رات اس کا یہی کام ہوتا ہے کہ وہ خدا اور بندوں دونوں سے گلہ شکوہ کرتا رہتا ہے۔

مومن کا وصیّت نامہ

شمع سلیم ٭

کیا آپ کا وصیت نامہ آپ کے تکیے کے نیچے موجود ہے؟ نہیں تو! بھلا زندگی میں اس کا کیا کام---- جی نہیں' جلدی کیجیے۔ آپ کے اوپر دو راتیں بھی ایسی نہ گزریں کہ آپ کا وصیّت نامہ آپ کے پاس تیار نہ ہو۔ ذرا یاد تو کیجیے کہ سورۂ بقرہ آیت ۱۸۰ میں اللہ تعالیٰ کیا فرما رہے ہیں: ''تم پر فرض کیا گیا ہے کہ جب تم میں سے کسی کی موت کا وقت آئے اور وہ اپنے پیچھے خیر (مال) چھوڑ رہا ہو تو والدین اور رشتے داروں کے لیے معروف طریقے سے وصیّت کرے' یہ حق ہے متقی لوگوں پر''۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ''کسی ایسے مسلمان بندے کے لیے جس کے پاس کوئی ایسی چیز (جایداد' سرمایہ' امانت' قرض وغیرہ) ہو جس کے بارے میں وصیّت کرنی چاہیے تو درست نہیں کہ وہ دو راتیں گزار دے مگر اس حال میں کہ اس کا وصیّت نامہ لکھا ہوا اس کے پاس نہ ہو''۔(بخاری' مسلم)

وصیت کے معنی

وصیّت ہر اس کام کو کہا جاتا ہے جس کے کرنے کا تاکیدی حکم دیا جائے خواہ وہ کام زندگی میں ہو یا بعد الموت۔ البتہ عرف عام میں اُس کام کو کہا جاتا ہے جس کے کرنے کا تاکیدی حکم بعد الموت ہو۔ سورۂ بقرہ کی آیت ۱۸۰ میں آنے والے لفظ خیر کے بہت سے معنوں میں سے

٭ جبیل' سعودی عرب

ایک معنی مال کے بھی آتے ہیں، جیسے سورۂ عادیات میں ہے: وَاِنَّهٗ لِحُبِّ الْخَیْرِ لَشَدِیْدٌ ۝ (العٰدیٰت:۸)۔(معارف القرآن، مفتی محمد شفیع، جلد۱، ص ۴۳۸)

وصیت کی اہمیت

حدیثِ مبارکہ کے الفاظ 'دو راتیں نہ گزریں'، اس امر پر دلالت کرتے ہیں کہ اس کام کے لیے موت کے وقت کا انتظار نہیں کرنا چاہیے۔ نہ معلوم موت کب اور کس حال میں آئے اور اُس وقت انسان کو اتنی مہلت ملے یا نہ ملے۔ یہ ضروری بھی نہیں کہ کوئی ہمارے پاس ہو جسے ہم وصیّت کے الفاظ سنا سکیں۔ بعض اموات حادثاتی یا ناگہانی بھی ہوتی ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ رسولؐ اللہ کا یہ ارشاد سننے کے بعد ایک دن بھی ایسا نہ گزرا کہ میرا وصیّت نامہ میرے پاس نہ ہو۔(معارف الحدیث، منظور نعمانیؒ، ج۶، ص ۱۸۹)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے وصیّت کی حالت میں انتقال کیا، یعنی اس حالت میں جس کا انتقال ہوا کہ اپنے مال اور معاملات کے بارے میں جو وصیّت اس کو کرنی چاہیے تھی، وہ اُس نے کی اور صحیح اور لوجہ اللہ کی تو اس کا انتقال ٹھیک راستے پر شریعت پر چلتے ہوئے ہوا، اور اس کی موت تقویٰ اور شہادت والی موت ہوئی اور اس کی مغفرت ہوگی''۔(سنن ابن ماجہ بحوالہ معارف الحدیث، ج۷، ص ۱۹۰)

یہ حدیث وصیّت کے ہر وقت تیار کرنے کی اہمیّت کو واضح کرتی ہے لیکن بات صرف یہی نہیں کہ یہ وصیّت اللہ کی رضا (لوجہ اللہ) کی خاطر ہو بلکہ کسی حق دار کو کسی بھی طرح کا نقصان نہ پہنچایا جائے۔ چنانچہ حضرت ابوہریرہؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ: ''(کبھی ایسا ہوتا ہے کہ) کوئی مرد یا کوئی عورت ۶۰ سال تک اللہ کی فرماں برداری والی زندگی گزارتے رہتے ہیں، پھر جب ان کی موت کا وقت آتا ہے تو وصیّت میں (حق داروں کو) نقصان پہنچا دیتے ہیں اور ان کے لیے دوزخ واجب ہوجاتی ہے''(مسند احمد، ترمذی، سنن ابی داؤد و ابن ماجہ بحوالہ معارف الحدیث، جلد۷، ص ۱۹۷)۔ ذرا غور کیجیے ۶۰ سال کی عبادت کے بعد بھی دوزخ کا واجب ہونا، آخر کیوں؟

وصیت کی تاکید کی حکمت

دراصل اللہ تعالیٰ کی طرف سے قانونِ وراثت کے باضابطہ اعلان سے پہلے صاحبِ دولت حضرات کے لیے وصیّت ہی وہ واحد ذریعہ تھا جس سے تعیّن کیا جاتا تھا کہ مرنے کے بعد اس کے مال و دولت اور جایداد پر کس کا حق ہے۔ اس ضمن میں وہی طرزِعمل رائج الوقت تھا جو باپ دادا سے چلا آرہا تھا۔ چونکہ یہ اصول وضوابط انسانوں کے وضع کیے ہوئے تھے اس لیے اوّل توحسبِ ضرورت بدلتے رہتے تھے' نیز اکثر انصاف سے بھی بے گانہ ہوتے تھے۔ عورتیں اور بچے اس ناانصافی کا خصوصی ہدف تھے۔ زندگی کے آخری لمحات تک وصیّت لکھنے کا یہ کام ملتوی رکھا جاتا۔ اگر کہیں لکھا بھی جاتا تو صاحبِ جایداد اپنی مرضی سے جسے چاہتا اور جیسے چاہتا نوازتا اور جسے چاہتا محروم کر دیتا' کوئی پوچھنے والا نہ ہوتا۔ کبھی یوں ہوتا کہ مرنے والا مر جاتا اور وصیّت کی عدم موجودگی کے باعث اُس کا مال پسماندگان میں باہمی رنجشوں' تنازعات اور تعلقات کے ٹوٹنے کا باعث بن جاتا' گویا وصیّت کا قانون ہونے کے باوجود حالات انتہائی دگرگوں تھے۔

اس فضا میں ایک عادلانہ اور منصفانہ قانون کی اشد ضرورت تھی' خاص کر ایسی بالادست ہستی کا دیا ہوا قانون جس کی خلاف ورزی آسان نہ ہو۔ یوں اِن حالات میں اللہ تعالیٰ نے قانونِ وراثت نازل فرمایا' اور نزدیکی رشتے داروں کے حصّے ازخود مقرر فرما دیے۔ اب اگر کوئی روگردانی کرتا ہے تو گناہ گار ہوتا ہے اور ربِ کائنات کو ناراض کرتا ہے۔ لیکن قانونِ وراثت (النساء ۴:۷-۱۴) کے آجانے کے بعد بھی کُل مال کے ۱/۳ حصّے پر صاحبِ مال کو وصیّت کا اختیار دیا گیا تاکہ دُور کے رشتے داروں اور ضرورت مندوں کی مدد یقینی بنائی جاسکے۔ اس سے دین اسلام میں اقربا کے حقوق کی ادایگی اور خبرگیری کی اہمیّت اُجاگر ہوتی ہے۔

اسلام میں انسانی تعلقات و معاملات کی اہمیّت واضح ہے۔ معاشرے کے استحکام کی بنیاد انھی تعلقات پر ہے' خاص کر وہ افراد جن کا تعلّق ایک گھرانے یا خاندان سے ہو۔ حالات شاہد ہیں کہ وہ صاحبِ حیثیت اشخاص جنھیں اللہ تعالیٰ نے نعمتوں سے نوازا ہے خصوصاً مال و دولت سے' وہ اگر اپنی زندگی میں یہ فیصلہ نہ کردیں کہ کس چیز پر کس کا حق ہے' توان کے اس دنیا سے چلے جانے کے بعد یہی مال آپس کے تعلقات میں کدورتیں ڈالتا ہے' بلکہ بسااوقات بات بڑھتے بڑھتے

خون خرابے تک جا پہنچتی ہے۔

مال سے انسان کی دل چسپی طبعی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ معاشرے کو فساد سے بچانے کے لیے شریعت نے مال و دولت کی متوازن اور منصفانہ تقسیم کا قانون مقرر کیا، اور اُس پر عمل کی تاکید فرمائی تاکہ لوگ اُسے حکمِ الٰہی سمجھ کر بروقت انجام دیں۔ اللہ تعالیٰ حق بات کہنے سے نہیں شرماتا، جب کہ انسان سوچتا ہے کہ اگر ہم نے کسی کو اس کی زندگی میں وصیت تحریر کرنے کا مشورہ دیا تو وہ سوچے گا کہ ''انھیں ابھی سے ہمارے مرنے کے بعد تقسیم ہونے والے مال کی فکر لاحق ہوگئی''۔ بلاشبہہ اس سوچ کو تبدیل کرنے کی اشد ضرورت ہے۔ وصیت نامے کے ذریعے ہی عزیزوں، رشتے داروں اور وارثوں کے درمیان بعد میں پیدا ہونے والے تنازعات اور غلط فہمیوں سے بچا جاسکتا ہے۔

وصیت کی شرعی حیثیت

تقسیم وراثت کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے باضابطہ قانون بن جانے کے بعد وصیّت کی شرعی حیثیت کچھ اس طرح سے ہوگئی:

۱- جن وارثوں کے حصّے قرآن میں مقرر کر دیے گئے ہیں اُن میں نہ تو وصیّت کے ذریعے کمی بیشی کی جاسکتی ہے اور نہ کسی وارث کو میراث سے محروم کیا جاسکتا ہے، اور نہ کسی وارث کو اس کے قانونی حصے کے علاوہ کوئی چیز بذریعہ وصیّت دی جاسکتی ہے۔ (تفہیم القرآن، ج۱، ص۱۴۰)

۲- وصیّت کُل جایداد کے صرف ایک تہائی ($\frac{1}{3}$) حصّے کی حد تک کی جاسکتی ہے۔ وہ بھی ایسے قرابت داروں کے لیے جو وارث نہ ہوں اور ایسے لوگوں کے لیے جو قرابت نہ رکھتے ہوں لیکن اس بات کے مستحق ہوں کہ ان کے لیے وصیّت کی جائے۔ (ایضاً)

۳- لیکن اگر وارثوں کی اجازت اور خوشی شاملِ حال ہے تو ایک تہائی سے زائد بلکہ پورے مال کی بھی وصیّت جائز ہے۔ (معارف القرآن، ج۱، ص۴۴۰)

۴- جس شخص پر کسی کے حقوق واجب ہوں، یا کسی کا قرض ہو یا کسی کی امانت رکھی ہو اس پر واجب ہے کہ وصیّت میں اس کا ذکر کر کے متعلقین کو ادایگی کی ہدایت کرے۔

۵- ایک تہائی مال کی وصیّت لکھنے والا اپنی زندگی میں کوئی بھی تبدیلی کرنے کا حق رکھتا

ہے۔ یہاں تک کہ اسے بالکل ختم بھی کرسکتا ہے۔ (ایضاً، ج ۱، ص ۴۴۱)

۶- وصیّت کی بعض شکلیں فرض ہیں، مثلاً ایسے والدین جو غیر مسلم ہوں یا بہن بھائی جو غیر مسلم ہوں، ان کا وراثت میں حصّہ نہیں، اس لیے ان کے لیے وصیت فرض ہے۔

مال کے علاوہ وصیت

وصیّت نامے میں مالی وصیت اور لوگوں کی امانتوں وغیرہ سے متعلّق لکھنا بے شک اہم حصّہ ہے، مگر چونکہ قرآن پاک میں، اللہ تعالیٰ نے لفظ خیر (البقرۃ ۲:۱۸۰) استعمال کیا ہے، اس لیے وصیّت کی اس تحریر کو کسی خاص دائرے تک محدود نہیں کیا جاسکتا۔ یوں بھی یہ بات یقینی نہیں کہ ہر آدمی اس حد تک صاحبِ جایداد ہو کہ اس کا ترکہ قابلِ تقسیم ہو۔ اب اگر کسی کا جی چاہے تو آخر وہ اپنے وصیّت نامے میں کیا لکھے؟ اس میں بے شمار باتیں شامل کی جاسکتی ہیں جو بلاشبہہ معاشرے میں باعثِ خیر ہیں اور ہوسکتی ہیں۔

انسانوں کی اس بستی میں سب کی ضرورتیں اور حالات مختلف ہیں۔ تربیتِ اولاد اور دیگر معاملات میں انسان اپنی زندگی ہی میں نہیں مرنے کے بعد بھی کچھ باتوں کی خواہش رکھتا ہے۔ اس کے لیے زبانی تاکید بھی کرتا ہے مگر ممکن ہے بعد میں یہ تاکید کسی کو یاد رہے اور کسی کو نہیں۔ ایسا بارہا دیکھا گیا ہے کہ بعض لوگ اپنے متعلقین کی زندگی میں ان کی نصیحتوں اور اچھے عمل کی قدر نہیں کرتے لیکن ان کے اس دنیا سے چلے جانے کے بعد یہی نصیحتیں اور عمل ان کی زندگی بدل کر رکھ دیتے ہیں۔ یوں وصیّت نامہ ہی وہ ذریعہ نظر آتا ہے جس میں ہم اپنے پیچھے رہ جانے والے رشتوں کے لیے کچھ لکھ سکتے ہیں۔

آیئے دیکھتے ہیں کہ ہم اپنے وصیّت نامے میں کیا کیا شامل کرسکتے ہیں تاکہ ہماری اولاد بعض کام کرکے نہ صرف ہمارے لیے صدقۂ جاریہ بنے بلکہ اپنی عاقبت بھی سنوارے:

۱- آج زندگی میں اپنی اولاد کو اپنے لیے دعا کرنا سکھایئے اور بعد میں دعا کرتے رہنے کی تاکید لکھیے اور یہ بھی ضرور لکھیے کہ کس طرح مرنے والا قبر میں اِن دعاؤں کا منتظر رہتا ہے۔

۲- آپس کے حقوق و لحاظ کی تاکید لکھیے۔ جڑ کر رہنے کے فوائد اور بکھر جانے کے نقصانات

تحریر کیجیے۔

۳- کسی خاص بچے کے لیے خاص نصیحت کے پیشِ نظر ہدایات تحریر کیجیے۔

۴- اچھے کاموں کی نصیحت کرتے ہوئے انھیں آخرت میں اللہ کی رضا کے حصول کا ذریعہ بنانا بتایئے اس لیے کہ دنیا میں بہت سی کوششیں بظاہر ناکام نظر آتی ہیں، اور اچھے کام تو اللہ پر ایمان نہ رکھنے والے بھی بہت کرتے ہیں۔

۵- تربیتِ اولاد اور ان کے دینی فہم کے حصول کے لیے آپ آج جو محنت اور کوشش کر رہے ہیں، انھیں مختصراً ضبطِ تحریر میں لایئے۔ ممکن ہے کل آپ نہ رہیں تو آپ کے لکھے ہوئے یہ الفاظ ہی اولاد کی زندگی بدل دیں۔

۶- باقاعدہ بیٹھ کر ایسی باتوں کی فہرست مرتب کیجیے جن کے لیے آپ کی خواہش یا ضرورت ہو کہ آپ کی غیر موجودگی میں انھیں کس کس طرح ہونا چاہیے۔

۷- خاندانی معاملات میں اُن معاملات کی طرف توجہ دلایئے جن سے بچنا یا جن کی پابندی آپ کے پسماندگان کو سکون و راحت فراہم کرے۔ اس ضمن میں اولاد کو ان کی شادیوں کے بعد کے رہن سہن سے متعلق ہدایات بھی مفید ہوں گی۔

۸- خاندان یا احباب میں سے کسی خاص فرد کے بارے میں کوئی ہدایت ہو تو وہ لکھیے۔

۹- اپنی ذات یا اپنے کسی ادھورے کام کی تکمیل کے لیے کوئی ہدایت ہو تو تحریر کیجیے۔

۱۰- اپنی اولاد (بہن بھائیوں) کو ایک دوسرے کی زندگی کے اہم معاملات کا خیال رکھنے کی ازحد تاکید لکھیے، مثلاً تعلیم، شادی یا دیگر ضروریات۔ ضروری نہیں کہ والدین اپنے تمام بچوں کی ساری ضروریات وفرائض اپنی زندگی ہی میں پورے کر چکے ہوں۔

۱۱- اپنی زندگی کے ساتھی سے متعلق نصیحت ضرور کیجیے کہ آپ کے بعد آپ کے شوہر یا بیوی کا کس طرح خیال رکھا جائے۔

مؤثر وصیت نامہ

۱- سب سے پہلے صفحے پر اسے کم از کم ایک بار پڑھ لینے کی 'وصیت' لکھیے۔

۲- آج جب آپ اسے لکھ رہے ہیں تو کھلے عام اس کا تذکرہ کیجیے۔ اس کی نشان دہی کیجیے کہ کس کاپی میں ہے اور کہاں رکھا ہے' چھپا کر مت رکھیے کیونکہ آپ کا تو ایمان و یقین ہے کہ موت کسی وقت بھی آسکتی ہے۔ آپ کے اہلِ خانہ کو اس کی بابت علم ہونا چاہیے۔

۳- اسے پڑھنے کے فوائد ابھی سے ہی متعلقین کو سمجھائیے۔

۴- اسے پنسل یا ہلکی سیاہی سے نہیں' قلم سے نمایاں لکھیے اور اس کے لیے مجلد کاپی کا انتخاب کیجیے تاکہ عرصۂ دراز تک چلے۔

۵- ایک صفحے پر صرف ایک وصیّت لکھیے اور ترتیب کا خیال رکھیے۔

۶- ایک ساتھ سارا وصیّت نامہ لکھنے نہ بیٹھ جایئے۔ سب کام ایک نشست میں ختم کرنے کا خیال ممکن ہے آپ میں سُستی پیدا کردے اور آپ اسے آج کل پر ٹالتے رہیں' جب کہ آپ کو یہ کام پہلی فرصت میں 'شروع' کرنا ہے' 'ختم' نہیں کرنا۔ پھر جوں جوں خیال آتا رہے اُس دن کی تاریخ ڈال کر لکھتے جایئے۔ گویا یہ آپ کے روزمرہ کاموں میں سے ایک اہم کام ہے۔

۷- ایک مؤثر وصیّت نامے کی بہت بڑی خوبی یہ ہے کہ وہ ضرر رساں نہ ہو' یعنی کسی کو اذیت پہنچانے والا نہ ہو (دیکھیے سورۂ نساء' آیت ۱۲)۔ اس ضرر رسانی میں جہاں بہت سی دوسری چیزیں شامل ہیں' مثلاً غیر متوازن وصیّت' جھوٹی شہادتیں' فرضی واقعات درج کر دینا اور وصیّت کو حق داروں کے خلاف کر دینا وغیرہ' وہاں یہ چیز بھی یقیناً شامل ہے کہ وہ فرائضِ منصبی جو ہر مرد اور عورت کو اپنی زندگی میں بذاتِ خود ادا کرنا لازم ہیں انھیں غفلت' لاپروائی' معاملاتِ زندگی کو کھیل سمجھ لینے کی وجہ سے چھوڑ دینا' اور اب وصیت لکھتے ہوئے اپنے متعلقین کے اُوپر غیر ضروری بوجھ ڈالتے ہوئے انھیں ادا کرنے کی تاکید کرنا۔ اس طرح آپ اللہ کے آگے جواب دہی سے بچ نہیں سکتے بلکہ آپ تو دہرے مجرم ہوگئے۔ اوّل تو اپنے اُوپر عائد فرائض کی عدم ادایگی' پھر اسے خواہ مخواہ دوسرے کے سر پر لاد دینا___ یہ کیا جاسکتا ہے کہ اگر زندگی کے کسی بھی میدان میں کمی رہ گئی ہے تو اب 'کم وقت میں زیادہ کام' کر کے اس کمی کو پورا کرنے کی سعی کیجیے۔ پھر اس کے بعد کی کسی چھوٹی موٹی کسر کو پورا کرنے کے لیے آپ ضرور وصیت کر سکتے ہیں۔

۸- جس وقت آپ کو احساس ہو کہ اس کا بیش تر حصہ مکمل ہو چکا تو اس کی فوٹو کاپی بنوا کر

دو ایک قریبی با اعتماد لوگوں کے پاس بھی رکھوا دیجیے، چاہے وہ آپ کی اولاد میں سے ہوں یا کوئی دوسرا قریبی رشتے دار ہو۔

وصیت اور وراثت میں فرق

وصیّت اور وراثت کی اصطلاحات میں بھی فرق ہے، اس کو بھی سمجھنے کی ضرورت ہے۔

● وراثت: وہ مال جو مرنے والا اپنے پیچھے رہ جانے والے قریبی متعلقین کے لیے چھوڑ جائے۔ قانونِ وراثت کے ضمن میں سورۂ نساء آیت ۷ تا ۱۴ میں اللہ تعالیٰ نے ہر وارث کے حصّے خود مقرر کر دیے ہیں۔ چنانچہ سورۂ نساء ۷ اور ۸ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''مردوں کے لیے اس مال میں حصّہ ہے جو ماں باپ اور قریبی رشتے داروں نے چھوڑا ہو، اور عورتوں کے لیے بھی اس مال میں حصّہ ہے جو ماں باپ اور قریبی رشتے داروں نے چھوڑا ہو، خواہ تھوڑا ہو یا بہت، اور یہ حصّہ (اللہ کی طرف سے) مقرر ہے''۔ اور جب تقسیم کے موقع پر کنبے کے لوگ اور یتیم و مسکین آئیں تو اس مال میں سے ان کو بھی کچھ دو اور اُن سے بھلے مانسوں کی سی بات کرو''۔ اس کے بعد آیت ۱۲ تک مقرر شدہ حصوں کی تفصیل موجود ہے۔

● وصیت: ہر اس کام کو کہا جاتا ہے جس کے کرنے کا حکم دیا جائے۔ شرعی اصطلاح میں صاحبِ وصیّت کی کوئی بھی 'معقول' نصیحت جس کی تکمیل وہ اپنے مرنے کے بعد کرنے کی خواہش رکھے، اس کی وصیّت کہلاتی ہے۔

قانونِ وراثت و وصیت: چند اہم نکات

قانونِ وراثت و وصیّت سے متعلّق چند اہم نکات ہیں جو پیشِ نظر رہنے چاہییں:

۱- میراث کے حق دار صرف مرد نہیں بلکہ عورتیں اور بچے بھی ہیں۔

۲- میراث بہرحال تقسیم ہوگی خواہ کتنی ہی کم ہو۔ حتیٰ کہ اگر مرنے والے نے ایک گز کپڑا چھوڑا ہے اور ۱۰ وارث ہیں تو اُسے بھی ۱۰ حصوں میں تقسیم ہونا چاہیے۔ یہ اور بات ہے کہ ایک وارث باقی سب کے حصّے خرید لے۔

۳- قانونِ وراثت ہر قسم کے مال و املاک پر جاری ہوگا۔

۴- قریب تر رشتے دار کی موجودگی میں بعید تر رشتے دار میراث نہ پائے گا۔ (تفہیم القرآن، ج۱، ص۳۲۴)

۵- مرنے والے کے مال سے پہلے کفن دفن کا انتظام ہوگا، اس کے بعد اگر میت کا قرض ہے تو وہ ادا کیا جائے گا۔ اگر قرضہ ادا کرنے میں تمام مال ختم ہو جاتا ہے تو وراثت تقسیم نہیں کی جائے گی۔ لیکن اگر قرض نہیں تو اب ایک تہائی (۱/۳) مال پر وصیّت لاگو ہوگی۔ بالفرض وصیت نہیں ہے تو پھر تمام مال شرعی وارثوں میں تقسیم کر دیا جائے گا۔ خیال رہے کہ حقوق اللہ اور حقوق العباد جو فرض اور واجب کے درجے میں ہوں ان سے متعلّق وصیّت فرض ہے، اور جو سنت اور مستحب کے درجے میں ہوں ان کی وصیّت مستحب ہے۔ تمام صورتوں میں تحریری وصیت مستحب ہے، فرض نہیں۔ قانونِ وراثت کے آنے کے بعد صرف ۱/۳ مال پر وصیّت کی جا سکتی ہے۔ اگر کوئی صاحبِ مال ایسی وصیّت کی حاجت محسوس نہ کرتا ہو تو تمام مال وارثوں کا ہوگا۔

۶- تقسیمِ وراثت قربت کی بنیاد پر ہوگی، ضرورت کی بنیاد پر نہیں۔ دُور کا رشتے دار خواہ کتنا ہی ضرورت مند ہو مگر قریب کے رشتے دار کی موجودگی میں وراثت کا حق دار نہیں۔ ہاں، ایسا شخص وصیّت سے لے سکتا ہے یا کوئی وارث اپنا حصّہ لینے کے بعد پھر جس کو دل چاہے دے سکتا ہے۔

۷- میراث کے حصّے اللہ تعالیٰ کی جانب سے مقرر ہیں۔ اب اِن کو کم زیادہ یا تبدیل کرنے کا کسی کو حق نہیں، نہ محروم کرنے سے کوئی شرعی وارث محروم ہوتا ہے، البتہ محروم کرنے والا گناہ گار ہوتا ہے۔

۸- وہ دور کے رشتے دار جو ضرورت مند ہوں اور تقسیم کے وقت موجود بھی ہوں انھیں بھی کُل مال میں سے تمام بالغ ورثا کی رضامندی سے کچھ نہ کچھ دے دیا جائے۔ یہ نہ صرف اخلاقی فرض ہے بلکہ شکرانہ ہے اُن لوگوں کی طرف سے جنھیں اللہ تعالیٰ نے بغیر کسی محنت کے یہ مال عطا فرمایا۔

۹- ایسے رشتے داروں کو اگر دیا جائے تو نابالغ اور غیر حاضر شرعی وارث کے حصّے سے نہ دیا جائے۔ جو حصّہ پا چکے ہیں وہ اپنے حصّے سے دیں تو زیادہ مناسب ہے۔

۱۰- اگر ایسے رشتے دار اپنے حق سے تجاوز کر کے شرعی حق داروں کے برابر مطالبہ کریں تو کوئی ان کا یہ ناجائز مطالبہ پورا کرنے کا پابند نہیں مگر بات احسن انداز سے ہو، دل شکنی نہ کی جائے۔

۱۱- کسی شخص کو ضرر رساں وصیت کرتے ہوئے پائیں تو لازم ہے کہ اُسے اِس ظلم سے باز رکھیں۔

۱۲- میت کے بدن کے کپڑے بھی ترکے میں شامل ہیں۔ انھیں حساب میں لگائے بغیر صدقہ کر دینا جائز نہیں۔

۱۳- ترکے کی تقسیم سے پہلے اُس مال سے مہمانوں کی تواضع کرنا' صدقہ خیرات کرنا جائز نہیں۔ ایسا کرنے والے سخت گناہ گار ہیں' اور اس صدقے سے میت کو کوئی فائدہ نہ ہوگا۔

ایک بزرگ کسی کی عیادت کو گئے۔ ان کے سامنے ہی وہ آدمی مر گیا۔ بزرگ نے چراغ بجھا کر کے اپنے پیسوں سے تیل منگوا کر چراغ جلایا اور فرمایا: وہ چراغ وارثوں کی امانت تھا۔

۱۴- غرض کہ تقسیم سے پہلے وارثوں سے 'اجازت' لے کر بھی صدقہ کرنا جائز نہیں۔ مبادا کوئی شرما شرمی میں اجازت دے دے مگر دل سے راضی نہ ہو۔ (معارف القرآن' ج ۲)

وراثت اور خواتین

صنفِ نازک وہ طبقہ ہے کہ جس کے حقوق واضح طور پر بتائے گئے اور ان کی حفاظت کو ہر ممکنہ طریقے سے لازم بنایا گیا ہے۔ اسلام میں عدل وانصاف کے معاملے میں مرد وعورت برابر ہیں۔ دونوں کے حقوق صاف صاف بیان کر دیے گئے مگر صد افسوس انھیں پورا کرنا تو دُور کی بات ہے' ان کی مکمل آگاہی بھی عام نہیں ہے۔ عورتوں کی اکثریت اپنے اُن حقوق سے واقف ہی نہیں جو اسے اللہ رب العزت کی طرف سے عطا کیے گئے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ معاشرے میں رائج باپ دادا کے اکثر اصول اور سوچ کے مخصوص انداز عورتوں کو محرومی' ذہنی تناؤ اور انتشار کے علاوہ کچھ نہیں دے رہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ ان غلط رسوم و رواج کو ختم کر کے اللہ رب العالمین کے قوانین سے آگاہی حاصل کی جائے۔ اس طرح اُس عذابٌ مُّهِينٌ سے بچنے کی تیاری کی جائے جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے احکامِ وراثت والی آیات کے آخر میں کیا ہے۔ ہمارے معاشرے میں لڑکیوں کی شادی پر بے جا اسراف' جہیز کی شکل میں بے پناہ سامان' شادی کے بعد بچوں کی ولادت (خاص کر پہلی بار) کے لیے والدین کا خرچ اٹھانا' ان کے علاج معالجے کی ضرورت پڑنے پر انھیں

والدین کے گھر چھوڑ دینے کا عام رواج ہے لیکن ان کی کوئی شرعی حیثیت نہیں اور ان اخراجات کا تقسیم وراثت سے بھی کوئی تعلق نہیں۔ شادی کے بعد عورت کی کفالت اور ضروریات پورا کرنے کی تمام ذمہ داری اس کے شوہر کی ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی تقسیم ہے۔

آیئے ذرا دیکھتے ہیں کہ خواتین سے متعلّق وراثت کا شرعی قانون کیا ہے:

۱- عورت مرد کی طرح وراثت کی جائز حق دار ہے' نہ کسی طرح محروم کی جاسکتی ہے اور نہ اس کا حصّہ ہی معاف کرانے کا کسی کو بھی حق ہے۔ البتہ اس کا حصّہ مرد سے آدھا ہے کیونکہ اُس پر کسی کی کفالت کا بوجھ نہیں ڈالا گیا۔

۲- اگر مرنے والا مسلمان مرد ہے تو دیکھا جائے گا کہ اُس نے بیوی کا مہر ادا کیا یا نہیں۔ اگر نہیں تو پہلے تمام مال سے مہر ادا ہوگا۔ بالفرض مال صرف اتنا ہے کہ مہر کی ادایگی کے بعد ختم ہوجاتا ہے تو پھر صرف مہر ادا کیا جائے گا اور کسی طرح کی وراثت تقسیم نہیں ہوگی۔ اگر مال مہر سے زائد ہے تب وراثت تقسیم کی جائے گی۔

۳- اگر کسی خاتون کے ساتھ یہ معاملہ پیش آیا کہ اس کا مہر اس طرح شوہر کی وفات پر دیا گیا تو اب وہ مہر کی رقم کے علاوہ وراثت سے اپنا مقررہ جائز حصّہ بھی پائے گی۔ یہ نہیں کہہ دیا جائے گا کہ تم نے ابھی ابھی تو مہر لیا ہے اب اپنی وراثت چھوڑ دو......

۴- قرآن کریم نے لڑکیوں کو حصّہ دلانے کا اس قدر اہتمام کیا ہے کہ لڑکیوں کے حصّے کو 'اصل' قرار دے کر اس کے اعتبار سے لڑکوں کا حصّہ بتایا۔ چنانچہ سورۂ نساء' آیت ۱۱ کا ایک حصّہ ہے۔ ''لڑکے کو دو لڑکیوں کے حصّے کے بقدر ملے گا''۔ (معارف القرآن' ج ۲' ص ۳۲۱)

آخری بات

احکامِ وراثت کا خاتمہ جس آیت پر ہوتا ہے اُس میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَتَعَدَّ حُدُوْدَهٗ يُدْخِلْهُ نَارًا خَالِدًا فِيْهَا ص وَلَهٗ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ○ (النسآء ۴:۱۴) اور جو اللہ اور اس کے رسولؐ کی نافرمانی کرے گا اور اس کی مقرر کی ہوئی حدوں سے تجاوز کرے گا' اسے اللہ آگ میں ڈالے گا جس

میں وہ ہمیشہ رہے گا اور اس کے لیے رسوا کن سزا ہے۔

اس آیت سے درج ذیل باتیں سامنے آتی ہیں:

۱- قانونِ وصیّت و وراثت اللہ تعالیٰ کی مقرر کی ہوئی حدود ہیں۔ ان کے خلاف کرنا اِن سے تجاوز کرنا ہے۔

۲- اس تجاوز کی سزا دوزخ کی آگ ہے۔

۳- یہ آگ کسی محدود مدت کے لیے نہیں 'ہمیشہ' کے لیے ہے۔

۴- اس آگ میں 'رسوا کن' عذاب (عَذَابٌ مُّھِیْنٌ) دیا جائے گا (اگرچہ قانونِ وراثت پر ایمان کی صورت میں بالآخر عذاب سے نجات ہو جائے گی لیکن طویل عرصے تک عذاب مھین تو بھگتنا پڑے گا)۔ آج کے قانون وراثت پر عمل نہ کرنے والے اور وصیّت سے غفلت برتنے والے مسلمان غور کر لیں کہ وہ کس مقام پر کھڑے ہیں! اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہم سب کی زندگی اور صحت میں برکت عطا فرمائے اور ہمیں اپنے فرائضِ منصبی کی تکمیل کی توفیق اور مہلت عطا فرمائے۔ آمین

آپ کا گھر

محمد یوسف اصلاحی

دین کا صحیح شعور ہو یا نہ ہو' تاہم یہ حقیقت ہے کہ خواتین میں دینی احساس مردوں کے مقابلے کچھ زیادہ ہی ہوتا ہے۔ میلاد کی محفلیں' نعت خوانی کی مجلسیں' نذر و نیاز' تیجا' چالیسواں' نوحہ خوانی' یہ سب دراصل خواتین ہی کے دم سے قائم ہیں اور مسلمان معاشروں میں ان کے چرچے خواتین ہی کی بدولت ہیں ـــــ یہی خواتین اگر دین کا صحیح شعور حاصل کرلیں' قرآن و سنت کی صحیح تعلیم سے واقف ہوجائیں' دین کے صحیح تصور اور صحیح فہم سے آشنا ہوجائیں اور انھیں واقعی یہ احساس ہوجائے کہ وہ بھی خیرِاُمت کا حصہ ہیں' تو ہمارے گھروں کی فضا' خاندانوں کے حالات اور معاشرے کے طور طریق سب بدل جائیں۔

خدا کی کتاب کا یہ خطاب کہ مسلمانو! تم خیرِ اُمت ہو' تمھیں لوگوں کی فلاح و ہدایت کے لیے اٹھایا گیا ہے' تم نیکیوں کا حکم دیتے ہو' برائیوں سے روکتے ہو اور تم واقعی خدا پر ایمان رکھتے ہو ـــــ یقیناً تمام مسلمانوں سے ہے۔ یہ خطاب صرف مردوں سے نہیں عورتوں سے بھی ہے۔ لازمی طور پر خواتین بھی اس حکم کی پابند ہیں' وہ بھی دین کی نمایندہ اور دین کی ترجمان ہیں اور دین کی دعوت و تبلیغ ان کا بھی دینی فریضہ ہے ـــــ بے شک ہر وہ خاتون جو خدا پر ایمان رکھتی ہے اس کا یہ فرض ہے کہ اپنے حلقۂ کار میں دینِ اسلام کی تبلیغ کرے۔ اپنے محرم مردوں کو دین سمجھنے اور دین پر عمل کرنے کی تلقین کرے اور خواتین میں عمومی حیثیت سے دین کی اشاعت کے لیے جدوجہد کرے۔ اگر خواتین میں اپنے منصب کا یہ احساس بیدار ہوجائے تو گھروں میں اسلامی زندگی اور اسلامی روایات و تہذیب کا چرچا رہے' اسلامی تعلیمات تازہ رہیں' اور ہمارے گھر واقعی اسلام کے

لیے فدا کار سپاہی تیار کرنے کا مدرسہ بن جائیں۔

مغربی تہذیب کے زبردست غلبے نے اور پھر موجودہ تعلیم و تربیت نے دین سے دُوری اور بے گانگی کی عام فضا پیدا کردی ہے۔ اس بے دینی اور جاہلیت کا مقابلہ اگر کیا جاسکتا ہے تو صرف اس طرح کہ ہم اپنے گھروں کی طرف توجہ دیں' گھر میں ایسا ماحول پیدا کریں کہ ہماری خواتین دین کو سمجھنے' دین کے مطابق اپنی زندگیاں ڈھالنے' دین کی روشنی میں اپنے گھر کے ماحول کو سدھارنے اور دین ہی کے مطابق بچوں کی تربیت اور پرورش کرنے کو اپنی زندگی کا سب سے عزیز مقصد سمجھنے لگیں۔ گھروں میں دینی فضا قائم رکھنے کا اہتمام اور بچوں کو دین کے مطابق اٹھانے کا اہم کام خواتین ہی انجام دے سکتی ہیں۔

دورِ سابق میں جب اسلامی تعلیمات کا چرچا تھا' عورتیں شروع ہی سے بچوں میں اسلام کی رغبت پیدا کردیتی تھیں۔ بچے دین کی معلومات اور دینی عبادات میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی کوشش کرتے تھے۔ قرآن پاک پڑھنے پڑھانے کا عام چرچا تھا۔ بچوں کو عام طور پر دعائیں یاد ہوتی تھیں: سوتے وقت کی دعا' اُٹھتے وقت کی دعا' مسجد میں داخل ہوتے وقت کی دعا' مسجد سے نکلتے وقت کی دعا' کھانا شروع کرتے وقت کی دعا' کھانے سے فارغ ہونے کے بعد کی دعا' پھل کھاتے وقت کی دعا' نیا لباس پہنتے وقت کی دعا' آئینہ دیکھتے وقت کی دعا' غرض بچوں کو یہ دعائیں اس طرح یاد ہوتی تھیں کہ وہ شوق اور دل بستگی کے ساتھ ان کو رٹتے رہتے تھے اور یہ معمولی بات نہ تھی۔ دراصل ان سادہ لوح بچوں کے پاک ذہنوں میں اس وقت جو نقوش ثبت ہوجاتے تھے ان کی آیندہ زندگی انھی نقوش کی آئینہ دار ہوتی تھی' اور یہ زندگیاں اسی لیے اسلام کا پیکر ہوتی تھیں۔

ماں کی محبت بھری گود میں بیٹھ کر جو کچھ وہ رٹ لیا کرتے تھے' پھر زندگی بھر اُسے کبھی نہ بھولتے تھے۔ انھی بنیادوں پر ان کی زندگیاں استوار ہوتی تھیں' پھر نہ انگلستان کی فضا اُنھیں بدل سکتی تھی' نہ زمستانی ہوائیں ان پر اثر کرتی تھیں' اور نہ کوئی خوف اور لالچ ان پر اثرانداز ہوسکتا تھا۔ وہ جہاں رہتے تھے دین کے دردمند اور دین کے داعی اور حامی بن کر رہتے تھے ــــــ تاریخ اسلامی کی جن عظیم ہستیوں پر ہم فخر کرتے ہیں اور ان کے کارناموں کو یاد کر کے سر دُھنتے ہیں وہ دراصل کارنامے ہیں ان گودوں کے جن میں یہ عظیم ہستیاں پل کر جوان ہوئی تھیں۔ اگر آپ اپنی تاریخ

دُہرانا چاہتے ہیں اور اپنی عظمت رفتہ کو آواز دینا چاہتے ہیں' تو ضرورت ہے کہ آپ ایسی گودیں مہیا کرنے کے لیے کوشش و کاوش کریں ـــــ اگر ہم واقعی یہ آرزو رکھتے ہیں کہ ہمارا معاشرہ اسلامی معاشرہ بنے اور ہمارے سماج میں اسلامی اقدار و روایات کا چرچا ہو' ہر طرف اسلامی روایات اور تعلیمات کا تذکرہ ہو' تو اس کا کامیاب طریقہ یہی ہے کہ ہم اپنی عورتوں میں دین کا شعور پیدا کریں۔ گھر کے ماحول کو دین کے لیے سازگار بنائیں اور اپنی خواتین کو متوجہ کریں کہ وہ اپنے گھروں کو دین کا مدرسہ بنائیں۔ اگر ہمارے گھر دین کا مدرسہ بن جائیں تو پھر باہر کا ماحول ہمارے گھروں میں ہرگز کوئی انقلاب لانے کی جرأت نہ کرسکے گا' بلکہ گھر کی یہ فضائیں باہر کے ماحول میں خوش گوار انقلاب لائیں گی اور اس انقلاب کا مقابلہ آسان نہ ہوگا۔

گھر کے ماحول پر سب سے زیادہ جو چیز اثرانداز ہوتی ہے' وہ ایک نیک دل' وفاشعار' دردمند' عالی حوصلہ اور دین دار خاتون کا اعلیٰ کردار اور پاکیزہ سیرت ہی ہوتی ہے۔ خواتین کی مدد اور تعاون کے بغیر نہ گھر کے ماحول میں سدھار آسکتا ہے اور نہ باہر کی فضا میں کوئی تبدیلی لائی جاسکتی ہے۔ کوئی ایسا خوش گوار پاکیزہ انقلاب جس کی جڑیں بہت مضبوط ہوں اور جو واقعی انسانوں کے قلب و دماغ کو بدل سکے، اسی وقت لایا جاسکتا ہے جب خواتین اس کی داعی بن جائیں اور وہ اپنے شب و روز اس کے لیے وقف کردیں۔

گھروں میں اسلامی تعلیم کی آسان کتابیں ضرور رکھیے۔ ان کے پڑھنے پڑھانے کا اہتمام کیجیے۔ قرآن پاک کی تفسیر و ترجمے' حدیثِ رسولؐ کے ترجمے' دعاؤں کی کتابیں اور اسلام کی بنیادی تعلیمات سے متعلق کتابیں ضرور گھر والوں کے لیے فراہم کیجیے۔ پھر اپنے اوقات میں سے کچھ وقت ضرور فارغ کیجیے کہ گھر کے سارے افراد بیٹھ کر اجتماعی طور پر کچھ مطالعہ کریں' غوروفکر کریں' تبادلۂ خیال کریں' اور پھر یہ کوشش بھی کریں کہ دین کا جو علم و شعور حاصل ہوتا جائے اس کے مطابق دھیرے دھیرے زندگیوں میں تبدیلی لانے کی کوشش کی جائے۔ تھوڑے ہی عرصے میں آپ دیکھیں گے کہ آپ کے گھر کی فضا بدلی ہوئی ہے ـــــ اور یقین کیجیے کہ اس سے بڑی نعمت اور کوئی نہیں ہے کہ آپ کے گھر اسلامی زندگی کا حسین نمونہ بن جائیں ـــــ اور آپ کے گھر والے اسلام کے داعی اور نمایندہ بن کر زندگی گزارنے لگیں۔

حاکمیت اور قانون سازی کا اختیار

اسلام کا نقطۂ نظر

خلیل الرحمٰن چشتی ٥

تمام دنیاوی امور میں اللہ تعالیٰ ہی حَاکِمْ (ruler) اور شَارِع (law giver) ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی حاکمِ اعلیٰ (sovereign) ہے۔ اللہ کے بارے میں یہ عقیدہ کافی نہیں ہے کہ وہ خَالِق (creator) ہے اور ربّ (sustainer) ہے۔ اسلام کا مطالبہ یہ ہے کہ اُسے خالق بھی تسلیم کیا جائے اور ربّ بھی، مالک بھی تسلیم کیا جائے اور بادشاہ بھی، صاحبِ تصرّف بھی تسلیم کیا جائے اور حاکم اور شارع بھی۔ آخری رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے سے دی جانے والی شریعت کے ہر فیصلے کو تسلیم کرنا بھی لازمی اور ضروری ہے، کیونکہ 'تکوینی اقتدار' کے ساتھ ساتھ 'تشریعی اقتدار' بھی اللہ تعالیٰ ہی کا حق ہے۔ اسی کو توحید تشریع یا توحید حاکمیت کہا جاسکتا ہے۔ جو ہستی آسمانوں پر حکمرانی کررہی ہے، صرف اُسی کو ہی اِس کرۂ ارض پر حکمرانی کا حق حاصل ہے۔

ہمارے دور میں، جب کہ جمہوریت اور سیکولرزم کی صدائیں ہر طرف بلند ہو رہی ہیں اور اسلامی عقائد اور اسلامی ثقافت وتہذیب پر تابڑ توڑ حملے مسلسل کیے جارہے ہیں، ہر پڑھے لکھے مسلمان کے لیے لازمی اور ضروری ہوگیا ہے کہ وہ حاکمیتِ الٰہی (توحیدِ تشریع) کے عقیدے کو ٹھیک ٹھیک سمجھے۔ اسلام کا مطالبہ یہ ہے کہ اللہ کو صرف خالق ہی نہیں، بلکہ رب بھی تسلیم کیا جائے۔

---

٥ ڈائرکٹر، الفوز اکیڈمی، اسلام آباد

خالق و رب ہی نہیں، بلکہ اُسے حاکم اور شارع بھی تسلیم کیا جائے۔ بحیثیت حاکم اور بحیثیت شارع نہ صرف اُس کی تکوینی حاکمیت تسلیم کی جائے بلکہ تشریعی حاکمیت کو بھی مانا جائے۔

مغرب یہ چاہتا ہے کہ وہ اِسلام کو عیسائیت کی طرح چرچ اور مسجد میں محدود کر دے۔ وہ یہ نہیں چاہتا کہ قرآن و سنت کے مطابق دنیا میں کہیں کوئی حکومتِ الٰہیہ قائم ہو۔ وہ نہیں چاہتا کہ قرآن و سنت کے قوانین کے مطابق دنیا کے کسی بھی ملک میں عدالتی نظام قائم ہو۔ وہ تو چاہتا ہے کہ سُود پر مشتمل معاشی نظام کو مسلمان ردّ نہ کر دیں اور غیر سودی نظامِ معیشت کو اپنے اپنے ملکوں میں رائج اور نافذ کریں۔

مغربی جمہوریت، ایک مادر پدر آزاد جمہوریت ہے، جو کسی روحانی اور اَخلاقی حدود و قیود کی پابند نہیں۔ اس میں عوام کو اور عوام کے منتخب نمایندوں کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ ہر قسم کے فیصلے کر سکیں۔ اسلام ایسی آزاد جمہوریت کا قائل نہیں۔ جمہوریت میں عوام الناس کی رائے کو ریفرنڈم کے ذریعے معلوم کیا جاتا ہے، یا عوام کے منتخب نمایندوں کی رائے کو پارلیمنٹ میں دیکھا جاتا ہے۔

دستورِ پاکستان میں قراردادِ مقاصد کے ذریعے حاکمیتِ الٰہیہ کو تسلیم کیا گیا ہے اور آٹھویں ترمیم کے ذریعے اِسے دستور کا ایک مستقل حصہ قرار دیا گیا ہے۔ وفاقی شرعی عدالت کو یہ اختیار دیا گیا ہے کہ وہ ہر اُس قانون کا جائزہ لے، جو قرآن و سنت سے متصادم ہو۔ یہ چیز مغرب کی نگاہ میں بری طرح کھٹکتی ہے اور مختلف طریقوں سے اس کی یہ کوشش ہے کہ اِس دستور کو ترکی کی طرح سیکولر بنا دیا جائے۔

حاکمیت الٰہی اور سیکولرزم

سیکولرزم کا مطلب لامذہبیت یا لادینیت نہیں ہے، بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ حکومت اور ریاست کا مذہب سے کوئی تعلق نہیں ہونا چاہیے۔ سیکولرزم مذہب کو گھر، مسجد اور عبادت خانوں تک محدود کر دیتا ہے۔ سیکولرزم کا توحیدِ ربوبیت اور توحیدِ اُلوہیت سے کوئی جھگڑا نہیں ہے، لیکن وہ توحیدِ تشریع، یعنی حاکمیت الٰہی کی مخالفت کرتا ہے۔ اسلام اور سیکولرزم ایک دوسرے کی ضد ہیں۔

سیکولرزم یہ گوارا نہیں کرتا کہ ایک سیکولر اسٹیٹ میں اسلامی سزائیں (حدود) نافذ ہوں۔ سود پر پابندی ہو، موسیقی اور رقص پر پابندی ہو، عریانی اور فحاشی پر پابندی ہو، البتہ سیکولرزم عبادات

کی اجازت دیتا ہے، چنانچہ وہ تصوف کو پروان چڑھاتا ہے جس کا اسلام کی تعلیمات سے کوئی تعلق نہیں۔ مغرب کی سیکولر دنیا کے نزدیک تصوف ایک ایسا فلسفہ ہے، جس سے اُن کے سیاسی اور مالی مفادات پر زد نہیں پڑتی اور وہ تصوف کے ساتھ پُرامن بقاے باہمی کے اُصولوں پر کار بند رہ سکتی ہے۔ اس کے برخلاف سیکولرزم کی اسلامی شریعت (Islamic Law) سے ازلی دشمنی ہے۔ سیکولرزم کے نقطۂ نظر سے فوج داری قوانین، معاشی قوانین، عائلی قوانین وغیرہ میں، خدا اور مذہب کا کوئی کردار نہیں ہونا چاہیے۔ ان تمام امور میں عوام کی رائے، اُن کی خواہشاتِ نفس اور اُن کے نمایندوں کی رائے ہی حاکمِ اعلیٰ ہے۔

ہر مسلمان پر یہ بات واضح ہوجانی چاہیے کہ جس اللہ نے ہمیں نماز ادا کرنے کا حکم دیا ہے، اُسی نے چور کا ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا ہے۔ جس اللہ نے ہمیں روزوں اور حج کا حکم دیا ہے، اُسی نے امیروں سے زکوٰۃ وصول کرنے' غیر شادی شدہ زانی مرد و خواتین کو کوڑے لگانے اور شادی شدہ زانی مرد و خواتین کو رجم کرنے کا حکم دیا ہے۔ جس اللہ نے ہمیں سچ بولنے کا اور امانتوں کا پاس و لحاظ کرنے کا حکم دیا ہے، اُسی نے ہمیں وصیت اور وراثت کے احکام دیے ہیں۔ اُسی نے سود، فحاشی، عریانی اور زنا کو حرام ٹھیرایا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے احکامات میں سے بعض کو قبول کر کے، بعض کو مسترد نہیں کیا جاسکتا اور نہ اسلام کو صرف ذاتی اعمال تک محدود کیا جاسکتا ہے۔ اسلام ایک نظامِ حیات ہے۔ اللہ تعالیٰ شارع ہے، وہ عبادات کا بھی حکم دیتا ہے اور معاشرتی قوانین کا بھی، وہ معاشی قوانین کا بھی حکم دیتا ہے اور اَخلاقیات کی تعلیم بھی۔ وہ ایک مضبوط اجتماعیت پر مبنی ریاست (state) کا حکم بھی دیتا ہے، جہاں اسلام کا نظامِ عدل رائج ہو۔

توحیدِ حاکمیت

حکمرانی، اقتدار اور بادشاہت، اللہ ہی کی ہے، جس میں اس کا کوئی شریک نہیں ہے، اِس حقیقت کا نام 'توحیدِ ملوکیت' ہے۔ اِسی کا دوسرا نام 'توحیدِ حاکمیت' ہے۔ درج ذیل آیات پر غور کیجیے:

لَہُ الْمُلْکُ لَآ اِلٰـہَ اِلَّا ھُوَ ج (الزمر ۳۹:۶) بادشاہی اسی کی ہے، کوئی معبُود اس کے سوا نہیں ہے۔

لَہٗ مُلْکُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (الزمر ۳۹:۴۴) آسمانوں اور زمین کی بادشاہی کا وہی مالک ہے۔

وَلَمْ یَکُنْ لَّہٗ شَرِیْکٌ فِی الْمُلْکِ (الفرقان ۲۵:۲) بادشاہی میں اُس کا کوئی شریک نہیں (وہ تنہا حکومت کر رہا ہے)۔

بِیَدِہٖ مَلَکُوْتُ کُلِّ شَیْءٍ (یٰسٓ ۳۶:۸۳) ہر چیز کی بادشاہی، اسی کے ہاتھ میں ہے۔

مَلِکِ النَّاسِ o (الناس ۱۱۴:۲) انسانوں کا بادشاہ ہے۔

لِلّٰہِ مُلْکُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ o (الشورٰی ۴۲:۴۹) زمین اور آسمانوں کی بادشاہی صرف اللہ ہی کے لیے ہے۔

خیال رہے کہ زمین کی بادشاہت بھی اللہ تعالیٰ ہی کی ہے۔ فرعونوں، نمرودوں اور بالادست ریاستوں کے حکمرانوں کو سوپر پاور سمجھنا شرک فی الملوکیت ہے۔ کمزور مسلمان، کافروں کی قوت سے مرعوب ہوجاتے ہیں، لیکن اللہ نے ہمیں قرآن میں حکم دیا ہے کہ:

لَا یَغُرَّنَّکَ تَقَلُّبُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا فِی الْبِلَادِ o (اٰل عمرٰن ۳:۱۹۶) دنیا کے ملکوں میں، خدا کے نافرمان لوگوں کی چلت پھرت، تمھیں کسی دھوکے میں مبتلا نہ کردے۔

ہمارے زمانے میں بھی، جب کمزور مسلمان امریکہ کی عراق پر، اور روس کی شیشان کے شہر گروزنی پر بمباری، تسلّط اور مسلمانوں کی مسکینی، بدحالی، شکست خوردگی، بے بسی اور لاچاری کے مناظر کو اخبارات میں پڑھتے ہیں اور ٹیلی ویژن پر دیکھتے ہیں تو ان بڑی طاقتوں کے جاہ وجلال سے مرعوب ہوکر اُمّتِ مسلمہ کے مستقبل سے مایوس ہوجاتے ہیں۔ لیکن اللہ کے وہ شیر، جن کی نگاہوں میں اللہ کی قوت، طاقت، اقتدار، بادشاہی اور ملوکیت سمائی رہتی ہے، دنیا کی طاقتوں کو تنکے سے بھی حقیر سمجھتے ہیں۔ خود کو اللہ کی فوج کا سپاہی سمجھ کر باطل کے خلاف صف آرا ہوجاتے ہیں۔ اللہ کے کلمے کو بلند کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اللہ ہی کو تنہا صاحبِ اقتدار سمجھتے ہیں۔ اُسی سے ڈرتے ہیں۔ یہی توحیدِ حاکمیت یا توحیدِ ملوکیت ہے۔

توحیدِ تشریع، توحیدِ حاکمیت کے حوالے سے، درج ذیل نکات پر مشتمل قرآنی آیات پر غور کیجیے:

خالق ہی کو حکم و امر کا حق حاصل ہے

اَلَا لَـهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ ۭ تَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ○ (الاعراف ۷:۵۴)
سن لو! اُسی کی 'خلق' ہے اور اسی کا 'اَمر' ہے، بڑا بابرکت ہے اللہ، سارے جہانوں کا مالک و پروردگار۔

اِس آیت سے معلوم ہوا کہ خالق ہی کو حاکم و آمر ہونے کا حق حاصل ہے۔

بَلْ لِّلّٰهِ الْاَمْرُ جَمِيْعًا ۭ (الرعد ۱۳:۳۱) بلکہ سارا اَمر و اختیار اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے۔

يُدَبِّرُ الْاَمْرَ ۭ (یونس ۱۰:۳) (اللہ ہی) کائنات کا انتظام چلا رہا ہے (اَوامر اور اَحکامات کی تدبیر کر رہا ہے)۔

يَتَنَزَّلُ الْاَمْرُ بَيْنَهُنَّ لِتَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۙ (الطلاق ۶۵:۱۲) ان (زمین اور آسمانوں) کے درمیان 'حکم' نازل ہوتا رہتا ہے (یہ بات تمھیں اس لیے بتائی جارہی ہے) تا کہ تم جان لو کہ اللہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔

مندرجہ بالا آیات سے معلوم ہوا کہ اللہ ہی خالق بھی ہے اور حاکم بھی۔ اللہ ایسا حاکم ہے، جس کے ہاتھ میں سارے اختیارات ہیں۔ اللہ ہی مدبّر ہستی ہے۔ وہ ایسا مدبّر ہے، جو اپنی حکمت اور دانائی کو اپنی قدرت اور طاقت سے دنیا میں نافذ کر کے رہتا ہے۔

اِسی لیے اُسے بہترین حاکم خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ اور اَحْكَمُ الْحٰكِمِيْنَ کہا گیا۔

وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ ○ (المآئدة ۵:۴۴) اور جو لوگ اللہ کے نازل کردہ قانون کے مطابق فیصلہ نہ کریں، وہی کافر ہیں۔

(قرآن میں دوسری جگہ ایسے لوگوں کو فاسق اور ظالم بھی کہا گیا ہے۔)

اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ۭ (الانعام ۶:۵۷) فیصلے (حکم) کا سارا اختیار، اللہ ہی کو ہے۔

اَلَا لَهُ الْحُكْمُ ۣ وَهُوَ اَسْرَعُ الْحٰسِبِيْنَ (الانعام ۶:۶۲) خبردار ہو جاؤ! فیصلے کے سارے اختیارات اسی کو حاصل ہیں۔ اور وہ حساب لینے میں بہت تیز ہے۔

مندرجہ بالا آیات میں مشرکینِ مکہ کے خود ساختہ قوانینِ حلال و حرام کا اِبطال بھی کیا گیا ہے۔ سورۂ شوریٰ میں، اللہ تعالیٰ نے اِن سے سوال کیا ہے:

اَمْ لَهُمْ شُرَكٰٓؤُا شَرَعُوْا لَهُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا لَمْ يَاْذَنْۢ بِهِ اللّٰهُ ط (الشوریٰ ۴۲:۲۱) کیا ان کے کچھ شریک خدا ہیں، جنھوں نے ان کے لیے وہ دین ٹھیرایا ہے، جس کا اذن اللہ نے نہیں دیا۔

سورۂ شوریٰ کی اس آیت سے مندرجہ ذیل باتیں معلوم ہوتی ہیں:

۱- مشرکین مکہ کا عقیدہ تھا کہ شرکاء (یعنی اِلٰهة ، غیرُ اللّٰه اور مِن دُونِ اللّٰه) نے دین کی شریعت سازی کی ہے۔

۲- مشرکینِ مکہ کے اس عقیدے اور اس شریعت کی اللہ تعالیٰ نے ہرگز اجازت نہیں دی۔

۳- الدین سے مُراد، محکومیت، اِطاعت، سپردگی اور بندگی ہے، جس میں اِسلام کے سارے احکام بھی شامل ہوتے ہیں، اور اِس جنس کی ساری دیگر چیزیں بھی۔

۴- شَرَعُوْا لَهُمْ ''اُن کے لیے قانون سازی کی'' سے مُراد، حلال و حرام کے احکام اور وہ دیگر تمام احکام ہیں، جو احکامِ الٰہی سے متصادم ہوتے ہیں۔

وَهُوَ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ط لَهُ الْحَمْدُ فِى الْاُوْلٰى وَالْاٰخِرَةِ ز وَلَهُ الْحُكْمُ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ٥ (القصص ۲۸:۷۰) اور وہ اللہ ہی ہے، جس کے سوا کوئی اِلٰہ نہیں، دنیا اور آخرت میں اسی کے لیے تعریف ہے۔ حکم دینا، اللہ ہی کے لیے ہے اور اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے۔

بہترین حاکم

اللہ تعالیٰ نہ صرف حاکم ہے، بلکہ خَيْرُ الْحَاكِمِيْن ہے، اَحكمُ الْحَاكِمِيْن ہے۔ وہ خَيْرُ الْفَاصِلِين ہے۔ فرمایا گیا:

وَهُوَ خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ ٥ (الاعراف ۷:۸۷) اور وہی (اللہ) سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے۔

اَلَـیْسَ اللّٰہُ بِاَحْکَمِ الْحٰکِمِیْنَ ○ (التین ۹۵:۸) کیا اللہ تعالیٰ سب حاکموں سے بڑا حاکم نہیں ہے؟

حتمی فیصلہ

دنیا میں دیکھا گیا ہے کہ بعض عدالتیں ماتحت ہوتی ہیں اور اُن کے اوپر بڑی عدالتیں ہوتی ہیں جنھیں ہم سیشن کورٹ، ہائی کورٹ اور سپریم کورٹ کہتے ہیں۔ ماتحت عدالتوں کے فیصلوں کو بڑی عدالتوں میں چیلنج کیا جا سکتا ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ ایسا آخری حاکم ہے، جس کے فیصلوں کے بعد کوئی اُن میں ترمیم نہیں کر سکتا' اِضافہ نہیں کر سکتا اور نظرثانی نہیں کر سکتا۔ وہ آخری اتھارٹی ہے۔ دنیا کی عدالتوں میں مقدمات کئی کئی سالوں تک لٹکتے رہتے ہیں، لیکن اللہ تعالیٰ کی عدالت میں فی الفور فیصلے کیے جاتے ہیں۔ فرمایا گیا:

وَاللّٰہُ یَحْکُمُ لَا مُعَقِّبَ لِحُکْمِہٖ ط وَھُوَ سَرِیْعُ الْحِسَابِ○ (الرعد ۱۳:۴۱) اللہ حکومت کر رہا ہے، کوئی اس کے فیصلوں پر نظرثانی کرنے والا نہیں ہے اور اُسے حساب لیتے کچھ دیر نہیں لگتی۔

بہترین فیصلہ کرنے والا

وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰہِ حُکْمًا لِّقَوْمٍ یُّوْقِنُوْنَ○ (المآئدۃ ۵:۵۰) اللہ پر یقین رکھنے والوں کے نزدیک، اللہ سے بہتر فیصلہ کرنے والا اور کون ہو سکتا ہے؟

مشورے سے بے نیاز

دنیا کی عدالتوں میں دیکھا گیا ہے کہ ایک سے زیادہ جج ہوتے ہیں اور جیوری کے کئی ممبر ہوتے ہیں، جج آپس میں اختلاف بھی کرتے ہیں۔ بعض اوقات فیصلے متفقہ ہوتے ہیں اور بعض اوقات کثرتِ رائے کی بنیاد پر فیصلے کیے جاتے ہیں۔ لیکن اللہ کی عدالت اِن سب سے مختلف ہے۔ اُس کے فیصلے تمام تر عدل پر مبنی ہوتے ہیں، جس میں غلطی کا کوئی اِمکان نہیں ہوتا۔ اُس کی شہادت مکمل ہوتی ہے۔ اُس کا علم ہر چیز پر محیط ہوتا ہے۔ وہ نیتوں سے بھی واقف ہوتا ہے۔ اُسے اپنی حکومت میں اور اپنے احکامِ حکومت میں نہ کسی سے مشورہ کرنے کی ضرورت پڑتی ہے اور نہ وہ کسی کو

اپنے فیصلوں میں شریک کرتا ہے۔ یہی بات سورۃ الکھف میں بیان کی گئی ہے:

وَلَا يُشْرِكُ فِيْ حُكْمِهٖٓ اَحَدًا ۝ (الکھف ۱۸:۲۶) اور وہ اپنی حکومت اور اپنے احکامِ حکومت میں کسی کو شریک نہیں کرتا۔

معلوم ہوا کہ وہ اپنے حکم و اختیار میں کسی کو ساجھی نہیں بناتا، کیونکہ وہ خود علیم و حکیم ہے، اُسے کسی اور سے مشورے کی حاجت نہیں۔

حاکمِ مطلق

اللہ تعالیٰ ہی حاکمِ مطلق ہے۔ وہ کسی کے دباؤ میں نہیں ہے' نہ وہ کسی کے ڈر سے عدل و انصاف کا خون کرتا ہے' اور نہ کسی کی محبت اور مروّت میں ظلم پر مبنی فیصلہ کرتا ہے۔ دنیا کی عدالتوں پر اور عدالتوں کے فیصلوں پر ظالم حکمرانوں اور دیگر لوگوں کا دباؤ ہوتا ہے' جس کی وجہ سے وہ عدل سے اِنحراف کرتی ہیں۔ لیکن یہ معاملہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ نہیں۔ فرمایا گیا:

اِنَّ اللّٰهَ يَحْكُمُ مَا يُرِيْدُ ۝ (المآئدۃ ۵:۱) یقیناً اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے، حکم دیتا ہے۔

اصل شارع اور قانون ساز

صحیح بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی اصل شارع ہے۔ صرف اُسی کے فیصلے حق پر مبنی ہوتے ہیں۔ اور وہی ایک ہستی ایسی ہے، جو ۱۰۰ فی صد صحیح فیصلے کر سکتی ہے۔ قرآن کہتا ہے:

اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ۭ يَقُصُّ الْحَقَّ وَهُوَ خَيْرُ الْفٰصِلِيْنَ ۝ (الانعام ۶:۵۷) نہیں ہے کسی اور کا فیصلہ اور قانون، مگر اللہ کا (یعنی فیصلے کا سارا اختیار اللہ کو ہے)، وہی امرِ حق بیان کرتا ہے اور وہی بہترین فیصلہ کرنے والا ہے۔

اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ۭ اَمَرَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ ۭ (یوسف ۱۲:۴۰) فرماں روائی اور اقتدار اللہ کے سوا کسی کے لیے نہیں ہے، اُس کا حکم ہے کہ خود اُس کے سوا، تم کسی کی بندگی اور اطاعت نہ کرو!

تکوینی اور تشریعی حاکمیت

زمین و آسمان میں اُسی کی حکومت ہے' یعنی تکوینی حکومت بھی اُسی کی ہے اور تشریعی

حکومت بھی اُسی کی ہونی چاہیے۔ جبری دنیا میں بھی اُسی کی حکومت ہے اور اِختیاری دنیا میں بھی اُسی کی حکومت ہونی چاہیے۔ تکوینی حکومت بھی ہر قسم کے عیب سے پاک ہے اور اُس کی شریعت بھی عیب سے پاک ہے۔ چونکہ وہ حکیم اور علیم ہے، اسی لیے ہر دو دائروں میں اس کے احکام کامل علم اور کامل حکمت پر مشتمل ہیں۔ چنانچہ اس نکتے کو سورۃ الزخرف میں کھولا گیا ہے:

وَهُوَ الَّذِیْ فِی السَّمَآءِ اِلٰـهٌ وَّ فِی الْاَرْضِ اِلٰـهٌ ط وَهُوَ الْحَكِیْمُ الْعَلِیْمُ ○ (الزخرف ۴۳:۸۴) وہی ایک، آسمان میں بھی اِلٰہ ہے اور زمین میں بھی اِلٰہ، اور وہی حکیم و علیم ہے۔

● **تکوینی حاکمیت کی مثالیں:** کون و مکان میں اُسی کی حکومت ہے۔ سورج اور چاند اُسی کے حکم سے گردش کرتے ہیں۔ کائنات کے اندر توازن اُسی کا قائم کردہ ہے۔ ہمارے اپنے جسم میں ہمارا اپنا دل، اُسی کے حکم سے دھڑکتا ہے۔ دل کی دھڑکن پر خود ہمارا کوئی اختیار نہیں۔ ہمارے بال اور ناخن ہم سے پوچھ کر نہیں بڑھتے۔ یہ اُس کی تکوینی اور جبری حکومت کی مثالیں ہیں۔ قرآنِ مجید میں ہمیں اِس کی بہت سی مثالیں ملتی ہیں:

وَالسَّمَآءَ رَفَعَهَا وَوَضَعَ الْمِیْزَانَ ○ (الرحمٰن ۵۵:۷) آسمان کو اُس نے بلند کیا اور میزان قائم کر دی۔

● **تشریعی حاکمیت کی مثالیں:** اللہ نے اِنسان کو آزادیِ اختیار عطا کی ہے اور پھر اُسے اپنے تشریعی احکام بھی عطا کیے ہیں اور اِنسان کو حکم دیا ہے کہ اِس اختیاری دائرے میں بھی ہم اُس کی شریعت پر عمل کریں۔ چنانچہ کہا گیا:

وَاَقِیْمُوا الْوَزْنَ بِالْقِسْطِ وَلَا تُخْسِرُوا الْمِیْزَانَ ○ (الرحمٰن ۵۵:۹) انصاف کے ساتھ ٹھیک تولو! اور ترازو میں ڈنڈی نہ مارو!

اَلزَّانِیَةُ وَالزَّانِیْ فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ ص (النور ۲۴:۲) زانیہ عورت اور زانی مرد، دونوں میں سے ہر ایک کو ۱۰۰ کوڑے مارو!

وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْٓا اَیْدِیَهُمَا (المآئدۃ ۵:۳۸) اور چور خواہ عورت ہو یا مرد، دونوں کے ہاتھ کاٹ دو!

كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلٰى ط اَلْحُرُّ بِالْحُرِّ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَالْاُنْثٰى بِالْاُنْثٰى ط (البقرة ۲:۱۷۸) تمھارے لیے قتل کے مقدموں میں، قصاص کا حکم لکھ دیا گیا ہے۔ آزاد آدمی نے قتل کیا ہو تو اس آزاد ہی سے بدلہ لیا جائے، غلام قاتل ہو تو وہ غلام ہی قتل کیا جائے، اور عورت اس جرم کی مرتکب ہو تو اس عورت ہی سے قصاص لیا جائے۔

وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا ط (البقرة ۲:۲۷۵) حالانکہ اللہ نے تجارت کو حلال کیا ہے اور سود کو حرام۔

معلوم ہوا کہ سود کی حرمت، جان کے بدلے جان کے قصاص کا حکم، چوروں اور زنا کرنے والوں کی سزائیں وغیرہ وغیرہ' یہ سب اُسی کا تشریعی قانون ہے۔

رسولؐ بھی شریعت کے تابع

شارعِ حقیقی اللہ تعالیٰ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اپنی عطا کردہ شریعت و قانون کے مطابق' عدل و انصاف کرنے کا حکم دیا ہے۔ چنانچہ فرمایا گیا:

وَاِنْ حَكَمْتَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ ط (المآئدة ۵:۴۲) اور (اے نبیؐ!) فیصلہ کرو تو پھر ٹھیک ٹھیک انصاف کے ساتھ کرو!

وَاِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ ط (النسآء ۴: ۵۸) اور (اے مسلمانو!) جب لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو عدل کے ساتھ فیصلہ کرو!

نزولِ قرآن کا مقصد

قرآنِ مجید میں نازل کردہ وحیِ جلی اور اَحادیث میں بیان کردہ وحیِ خفی، دونوں کے نزول کا بنیادی مقصد یہی ہے کہ علیم و حکیم عادل اللہ تعالیٰ کے قانون کے مطابق دنیاوی فیصلے کیے جائیں۔ کہا گیا:

اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَآ اَرٰكَ اللّٰهُ ط (النسآء ۴:۱۰۵) اے نبیؐ، ہم نے یہ کتاب حق کے ساتھ تمھاری طرف نازل کی ہے،

تاکہ جو راہِ راست اللہ نے تمھیں دکھائی ہے، اس کے مطابق لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو!

احکامِ شریعت سے پہلوتہی

سچے اور مخلص مسلمان اللہ تعالیٰ کو شارع مان کر، اُس کی شریعت کے قوانین کے مطابق ہی سارے فیصلے کرتے ہیں۔ اپنے تمام اِختلافی معاملات کو قرآن و سنت کی طرف پھیرتے ہیں۔ اِس کے برخلاف، منافقین اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ شریعت کے فیصلوں سے پہلوتہی کرتے ہیں اور جی چراتے ہیں۔ سورۂ آل عمران میں منافقین کی اِس روش پر روشنی ڈالی گئی ہے:

يُدْعَوْنَ اِلٰى كِتٰبِ اللّٰهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ يَتَوَلّٰى فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ (اٰلِ عمرٰن ۳:۲۳) اُنھیں جب کتابِ الٰہی کی طرف بلایا جاتا ہے، تاکہ وہ اُن کے درمیان فیصلہ کرے، تو ان میں سے ایک فریق اِس سے پہلوتہی کرتا ہے۔

احکامِ الٰہی کے نفاذ میں رکاوٹ

سچے اور مخلص مسلمانوں، ججوں اور حکمرانوں پر، ہمیشہ اہلِ باطل کا دباؤ ہوتا ہے کہ وہ اہلِ باطل کی خواہشات کے مطابق فیصلے کریں اور اللہ کے قانون کو پسِ پشت ڈال دیں۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اپنے آخری رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی واضح طور پر حکم دیا کہ وہ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ کے مطابق فیصلے کریں' اور لوگوں کی خواہشات (اَهْوَآءَهُمْ) کی پیروی نہ کریں۔ معلوم ہوا کہ تحکیمِ اِلٰہی کے راستے میں، اہلِ باطل کی خواہشاتِ نفسانی رکاوٹ بن جاتی ہیں۔

وَاَنِ احْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ (المآئدة ۵:۴۹) اے نبیؐ! تم اللہ کے نازل کردہ قانون کے مطابق، اِن لوگوں کے معاملات کا فیصلہ کرو! اور ان کی خواہشات کی پیروی نہ کرو۔

فَاحْكُمْ بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوٰى (صٓ ۳۸:۲۶) لہٰذا تو لوگوں کے درمیان حق کے ساتھ حکومت کر! اور خواہشِ نفس کی پیروی نہ کر!

مسلمانوں کا شعار سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا

منافقین کے طرزِ عمل کے بالکل برعکس، سچے اور مخلص مسلمان، اللہ تعالیٰ کی شریعت کے

فیصلوں کو سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا کہہ کر قبول کرتے ہیں۔ چنانچہ فرمایا گیا:

اِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذَا دُعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ اَنْ يَّقُوْلُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ط (النور ۲۴:۵۱) ایمان لانے والوں کا کام تو یہ ہے کہ جب وہ اللہ اور رسولؐ کی طرف بلائے جائیں، تاکہ رسولؐ ان کے مقدمے کا فیصلہ کریں تو وہ کہیں کہ ہم نے سنا اور اطاعت کی۔

کیا قانونِ جاہلیت کے طالب ہو!

ہمارے حکیم خالق نے، ہماری بھلائی کے لیے، قرآن و سنت میں، حکمت پر مبنی احکام عطا فرمائے ہیں۔ اِن حکیمانہ احکام و قوانین سے ہٹ کر جو لوگ فیصلہ چاہتے ہیں وہ گویا جاہلیّت کے قوانین اور ایامِ جاہلیّت کے رسم و رواج کے مطابق فیصلے چاہتے ہیں۔ یہی وہ سوال ہے، جو سورۂ مائدہ میں اُٹھایا گیا ہے۔ حُكْمُ اللّٰه کے مقابلے میں حُكْمُ الْجَاهِلِيَّة ہوتا ہے، جو باپ دادا کی رسومات اور بدعات پر مشتمل ہوتا ہے۔

اَفَحُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ يَبْغُوْنَ ط (المآئدہ ۵:۵۰) تو کیا پھر یہ جاہلیّت کا فیصلہ چاہتے ہیں؟

منافقین کی روش

اپنے وقت کی ظالم و جابر، سرکش و متکبر، بے لگام قوتیں، جن کے ہاتھ میں اقتدار اور فیصلوں کا اختیار رہتا ہے، مخلص مسلمانوں پر اپنے ظالم قوانین مسلط کرنے کی کوشش کرتی ہیں، لیکن سچے مسلمان، طاغوت کی عدالت کو تسلیم ہی نہیں کرتے اور وہ اپنے تمام اِختلافی معاملات کے لیے مَا اَنْزَلَ اللّٰه سے رجوع کرتے ہیں۔ اِس کے برخلاف منافقین، اپنے دنیاوی فائدوں کے لیے اپنے معاملات کے فیصلوں کے لیے طاغوتی عدالتوں سے فریاد کرتے ہیں۔ فرمایا گیا:

يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَحَاكَمُوْٓا اِلَى الطَّاغُوْتِ وَقَدْ اُمِرُوْٓا اَنْ يَّكْفُرُوْا بِهٖ ط (النسآء ۴:۶۰) مگر (یہ منافقین) چاہتے یہ ہیں کہ اپنے معاملات کا فیصلہ کرانے کے لیے طاغوت کی طرف رجوع کریں، حالانکہ انھیں طاغوت سے کفر کرنے کا حکم دیا گیا تھا۔

یہاں غیر اسلامی قوانین اور غیر اسلامی عدالتوں کو طاغوت کہا گیا ہے، جو اللہ کے نازل کردہ احکام سے متصادم ہوتی ہیں۔

غَیْرُ اللہ کی اطاعت کی ممانعت

ایک مسلمان کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ اللہ کے علاوہ کسی اور کو حَکَم، یعنی جج تسلیم کرے، جب کہ ہمارے پاس اللہ کی طرف سے نازل کردہ تفصیلی کتاب موجود ہے۔ چنانچہ خود محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ مبارک سے یہ سوال کرایا گیا:

اَفَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْتَغِىْ حَكَمًا وَّهُوَ الَّذِىْٓ اَنْزَلَ اِلَيْكُمُ الْكِتٰبَ مُفَصَّلًا ؕ (الانعام ۶:۱۱۴) تو کیا میں اللہ کے سوا، کوئی اور فیصلہ کرنے والا تلاش کروں؟ حالانکہ اس نے پوری تفصیل کے ساتھ تمھاری طرف کتاب نازل کر دی ہے؟

قانون سازی کی بنیاد

سورۂ ممتحنہ میں دارالاسلام کی شہریت کے قوانین بیان کیے گئے ہیں۔ دارُ الکفر اور دارُ الاسلام میں مقیم افراد کے حق مہر کے تبادلے کے احکام کے ساتھ ساتھ یہ بھی بتایا گیا کہ ہجرت کرنے والی خواتین کو جانچنا اور پرکھنا ضروری ہے۔ ہوسکتا ہے کہ اِن نئی مہاجرات میں کوئی جاسوس ہو۔ ان تمام احکام کو اللہ کا حکم (حُكْمُ اللّٰه) کہا گیا۔ یہ سارے قوانین اللہ کے علم اور اللہ کی حکمت و دانائی پر مبنی ہیں۔ اِن قوانین کا مقصد بھی اِسلامی ریاست کو مضبوط کرنا اور مسلمانوں کے اِجتماعی مفادات کا تحفظ کرنا ہے۔

ذٰلِكُمْ حُكْمُ اللّٰهِ ؕ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝ (الممتحنۃ ۶۰:۱۰) یہ اللہ کا حکم ہے، وہ تمھارے درمیان فیصلہ کرتا ہے اور وہ علیم و حکیم ہے۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ ریاست اور شہریت کے قوانین بھی توحیدِ حاکمیت' یعنی تشریع کا حصہ ہیں۔

اللہ کے قوانین کے مطابق فیصلے نہ کرنے والے

سورۂ مائدہ میں مَآ اَنْزَلَ اللّٰہ کے مطابق فیصلہ نہ کرنے والوں کو الْكٰفِرُوْن اور الظّٰلِمُوْن اور الْفٰسِقُوْن کہا گیا ہے۔ فرمایا گیا:

وَمَنۡ لَّمۡ يَحۡكُمۡ بِمَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الۡكٰفِرُوۡنَ ○ (المآئدۃ ۵:۴۴) جو لوگ اللہ کے نازل کردہ قانون کے مطابق فیصلہ نہ کریں، وہی کافر ہیں۔

وَمَنۡ لَّمۡ يَحۡكُمۡ بِمَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوۡنَ ○ (۵:۴۵)

جو لوگ اللہ کے نازل کردہ قانون کے مطابق فیصلہ نہ کریں، وہی ظالم ہیں۔

وَمَنۡ لَّمۡ يَحۡكُمۡ بِمَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الۡفٰسِقُوۡنَ ○ (۵:۴۷)

جو لوگ اللہ کے نازل کردہ قانون کے مطابق فیصلہ نہ کریں، وہی فاسق و گناہ گار ہیں۔

حلال و حرام کا تعیّن

چیزوں کو حلال یا حرام کرنا بھی، اللہ تعالیٰ کا تشریعی اختیار ہے، چنانچہ فرمایا گیا:

وَلَا تَقُوۡلُوۡا لِمَا تَصِفُ اَلۡسِنَتُكُمُ الۡكَذِبَ هٰذَا حَلٰلٌ وَّ هٰذَا حَرَامٌ لِّتَفۡتَرُوۡا عَلَى اللّٰهِ الۡكَذِبَ ؕ (النحل ۱۶:۱۱۶) اور یہ جو تمھاری زبانیں، جھوٹے احکام لگایا کرتی ہیں کہ یہ چیز حلال ہے اور وہ حرام، تو اس طرح کے حکم لگا کر، اللہ پر جھوٹ نہ باندھو!

اِنَّ الَّذِيۡنَ يَفۡتَرُوۡنَ عَلَى اللّٰهِ الۡكَذِبَ لَا يُفۡلِحُوۡنَ ○ (النحل ۱۶:۱۱۶) جو لوگ اللہ پر جھوٹے افترا باندھتے ہیں، وہ ہرگز فلاح نہیں پایا کرتے۔

قُلۡ اَرَءَيۡتُمۡ مَّاۤ اَنۡزَلَ اللّٰهُ لَكُمۡ مِّنۡ رِّزۡقٍ فَجَعَلۡتُمۡ مِّنۡهُ حَرَامًا وَّ حَلٰلًا ؕ قُلۡ آٰللّٰهُ اَذِنَ لَكُمۡ اَمۡ عَلَى اللّٰهِ تَفۡتَرُوۡنَ○ (یونس ۱۰:۵۹) اے نبیؐ! ان سے کہیے! تم لوگوں نے کبھی یہ بھی سوچا ہے کہ جو رزق اللہ نے تمھارے لیے اتارا تھا، اس میں سے تم نے خود ہی کسی کو حرام اور کسی کو حلال ٹھیرا لیا۔ ان سے پوچھیے! اللہ نے کیا تم کو اس کی اجازت دی تھی؟

يٰۤاَيُّهَا النَّبِىُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَاۤ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ ۚ (التحریم ۶۶:۱) اے نبیؐ! آپؐ اس چیز کو کیوں حرام کرتے ہیں، جو اللہ نے آپؐ کے لیے حلال کی ہے؟

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تُحَرِّمُوۡا طَيِّبٰتِ مَاۤ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكُمۡ وَلَا تَعۡتَدُوۡا ؕ

(المآئدۃ ۵:۸۷) اے لوگو جو ایمان لائے ہو! جو پاک چیزیں اللہ نے تمھارے لیے حلال کی ہیں، انھیں حرام نہ کرلو اور حد سے تجاوز نہ کرو۔

مشرکینِ مکہ کا شِرک فی التشریع

مشرکینِ مکہ توحیدِ خالقیت اور توحیدِ ربوبیت کے قائل تھے، لیکن توحیدِ اُلوہیت اور توحیدِ حاکمیت یعنی توحیدِ تشریع کے منکر تھے۔ سورۂ انعام میں ان کے شِرک فی التشریع کی تفصیل بیانّ کی گئی ہے، اور اللہ تعالیٰ نے ان کے عقیدے کے عین برعکس توحید فی التشریع کی وضاحت کی ہے۔

مشرکینِ مکہ کے شرک فی التشریع کے سلسلے میں مندرجہ ذیل مثالیں دی گئی ہیں:

۱- مشرکینِ مکہ اپنی کھیتیوں اور اپنے چوپایوں میں اللہ کا حصہ بھی مقرر کرتے تھے اور اپنے دیگر شرکا کا حصہ بھی مقرر کرتے تھے۔ (الانعام ۶:۱۳۶)

۲- بعض مویشیوں اور بعض کھیتیوں کے بارے میں ان کا عقیدہ تھا کہ یہ ممنوع ہیں۔ (۶:۱۳۸)

۳- بعض چوپایوں کے بارے میں ان کا عقیدہ تھا کہ ان پر سواری حرام ہے اور بعض پر یہ اللہ کا نام نہیں لیتے تھے۔ (۶:۱۳۸)

۴- بعض جانوروں کے پیٹ میں پائے جانے والے (زندہ) بچوں کے بارے میں ان کا عقیدہ تھا کہ یہ صرف اُن کے مردوں کے لیے حلال ہیں اور عورتوں کے لیے حرام ہیں، البتہ اگر یہ بچہ مُردہ پیدا ہوتا تو مردوں اور عورتوں دونوں کے لیے حلال ہو جاتا۔

توحید فی التشریع کے سلسلے میں مندرجہ ذیل مثالیں دی گئی ہیں:

۱- اُن جانوروں کا گوشت جائز ہے، جن پر اللہ کا نام لیا گیا ہے۔ (۶:۱۱۸)

۲- اُن جانوروں کا گوشت ناجائز بھی ہے اور فسق بھی، جن پر اللہ کا نام نہیں لیا گیا۔ (۶:۱۲۱)

۳- مُردار، بہتا خون، سور کا گوشت اور وہ جانور، جو غیرُ اللہ کے لیے نامزد کیا گیا ہو

کے سوا وحی میں کوئی چیز حرام نہیں ہے۔(۶:۱۴۵)

۴-شرک، والدین کی نافرمانی، اولاد کا قتل، ظاہری اور باطنی فحاشی، اور قتلِ نفس کو اللہ تعالیٰ نے حرام ٹھیرایا ہے۔(۶:۱۵۱)

شریعت ساز اور قانون ساز

مندرجہ ذیل آیت پر غور کیجیے اور اَرباب، یَعْبُدُوا اور اِلٰہ کے الفاظ پر خصوصی توجہ فرمایئے:

> اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَھُمْ وَرُھْبَانَھُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰہِ وَالْمَسِیْحَ ابْنَ مَرْیَمَ ج وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِیَعْبُدُوْٓا اِلٰھًا وَّاحِدًا ج لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ ط سُبْحٰنَہٗ (التوبۃ ۹:۳۱)
>
> انھوں نے (یعنی یہودیوں نے) اپنے علما اور درویشوں کو، اللہ کے سوا، اپنا رَب بنا لیا ہے اور اسی طرح (عیسائیوں نے) مسیح ابن مریم کو بھی۔ حالانکہ ان کو ایک 'معبودؑ' کے سوا کسی کی 'عبادت' (بندگی) کرنے کا حکم نہیں دیا گیا تھا، وہ جس کے سوا، کوئی مستحقِ عبادت نہیں ہے' بے عیب پاک ہستی ہے۔

اس آیت میں' علما اور درویشوں کی عبادت سے مراد، ان کی اطاعت ہے۔ قرآن وسنت کے مقابلے میں، علما، صوفیا، تارکُ الدّنیا فقرا (رُہبان) اور گوشہ نشینوں کے ارشادات کو ماننا اور اُن پر عمل کرنا، شِرک فی الحکم ہے۔ قرآن وسنت کے حلال وحرام کے اُصولوں کو ترک کر کے، اَحبار (علما) اور رُھبان (راہب صوفیا) کے تصنیف کردہ حلال وحرام کو ماننا بھی شرک ہے اور اُن کو اَرباب بنانے کے مترادف ہے، جیسا کہ مندرجہ بالا آیت کی تفسیر میں نبی کریمؐ نے حضرت عدیؓ بن حاتم سے وضاحت فرمائی۔

اجتہاد کے ذریعے قانون سازی

فقہاے امت، علماے کرام اور ماہرینِ قانونِ شریعتِ اِسلامی، ذیلی اور فروعی امور میں، قرآن وسنت کے سائے تلے، نئے مسائل کے حل کے لیے اجتہاد کر سکتے ہیں۔ لیکن اجتہاد کے صحیح ہونے کے لیے تین شرائط ضروری ہیں:

۱- اجتہاد کسی نصِ قرآنی کے خلاف نہ ہو۔

۲- اجتہاد کسی حدیثِ متواتر اور حدیثِ صحیح کے خلاف نہ ہو۔

۳- اجتہاد اجماعِ امت کے خلاف نہ ہو۔

مغربی جمہوریت اور تشریعی توحید

عوام کے با اعتماد نمایندوں کے ذریعے نظامِ سلطنت کو چلانا جمہوریت ہے۔ اسلام اس کا مخالف نہیں۔ ظاہر ہے خلفاے راشدینؓ بھی صحابہ کرامؓ کے با اعتماد نمایندے تھے اور انھوں نے بلاجبر و اِکراہ' ان کے ہاتھ پر بیعت کی تھی، لیکن 'مغربی جمہوریت' ایک بالکل مختلف چیز ہے۔

مغربی جمہوریت کی رو سے، عوام کے با اعتماد نمایندوں کی اکثریت کو پارلیمنٹ یا اسمبلی میں خدائی قانون اور تشریعی قوانین میں تغیّر و تبدل کے اختیارات حاصل ہو جاتے ہیں۔ یہ شرک فی التشریع ہے۔ اسلام پارلیمنٹ کی ایسی بالادستی کو تسلیم نہیں کرتا۔ البتہ اگر پارلیمنٹ، خدائی قانون اور تشریعی قوانین کے ماتحت رہ کر، فروعی معاملات میں مندرجہ بالا تین شرائط کے مطابق قانون سازی کرے تو اس پر اعتراض نہیں کیا جاسکتا۔

مستقبل کا چیلنج اور ہم

خرم مرادؒ

'مستقبل' کا لفظ اپنے اندر بڑی کشش اور دل فریبی رکھتا ہے۔ مستقبل بنانے کے لیے ہم ساری زندگی تگ و دو کرتے ہیں' اور اپنی زندگی کے بہترین سال اپنے مستقبل کی تعمیر میں صرف کرتے ہیں۔ یہ بھی حقیقت ہے کہ جہاں اللہ تعالیٰ نے انسان کی فطرت میں اُس چیز کی محبت رکھ دی ہے جو فوری ملنے والی ہو' جو نفعِ عاجل ہو' اور یہ محبت اس امتحان کے لیے ضروری تھی جس میں اس کو ڈالا گیا ہے' وہاں اس نے اس کی فطرت میں مستقبل کی آرزوؤں' تمناؤں اور خوابوں کے لیے جدوجہد' کوشش اور قربانی کا جذبہ بھی رکھ دیا ہے۔ یہ دونوں چیزیں مل کر انسانی وجود کی تخلیق کو تکمیل کا درجہ عطا کرتی ہیں۔

حال اور مستقبل' آج اور کل کے لحاظ سے اگر ہم انسانوں کو اور انسانی گروہوں کو تقسیم کرنا چاہیں تو دو قسم کے گروہ نظر آئیں گے۔ ایک وہ لوگ ہیں جو حال مست ہیں' جن کی نظر آج کے نفع پر ہوتی ہے' جو آج کا کام آج کر کے لمبی تان کر سوتے ہیں اور جن کے نصیب میں آج کی روٹی آئے تو وہ اس کو اپنے لیے کافی سمجھتے ہیں۔ دوسری قسم کے لوگ وہ ہوتے ہیں جو اپنی نگاہ مستقبل پر مرکوز کردیتے ہیں۔ آج کے ہر لمحے اور اپنی ہر کوشش کا نتیجہ وہ مستقبل میں دیکھنا چاہتے ہیں۔ یہ تقسیم بہت واضح اور صاف طور پر دیکھی جاسکتی ہے اور اس میں کسی شک وشبہے کی گنجایش نہیں ہے۔

اسلام ، مستقبل کے لیے جستجو

اگر ہم مختصر الفاظ میں اسلام اور مسلمان کی تعریف کرنا چاہیں تو یہ اس کے علاوہ کچھ نہیں

ہوسکتی کہ اسلام مسلمان کو مستقبل کے لیے جینے کی دعوت دیتا ہے۔ وہ مستقبل جس کا وجود موت کی سرحد سے بھی ماورا ہے' اور جو اتنا عظیم الشان ہے کہ زمین و آسمان بھی اس کے وسعت میں سما جائیں۔ قرآن مجید کی ساری دعوت ہی یہ ہے کہ دوڑو' بھاگو' سعی اور کوشش کرو اور ایک دوسرے سے سبقت لے جاؤ اور آگے بڑھو۔ حرکت خود مستقبل کی طرف لے جاتی ہے۔ گویا مسلمان وہ ہے کہ جو اپنے حال کے ہر لمحے پر اس طرح سے نگاہ ڈالتا ہے کہ کل اس کا کیا نتیجہ نکلنے والا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ ۚ (الحشر ۱۸:۵۹) اے لوگو جو ایمان لائے ہو' اللہ سے ڈرو' اور ہر شخص یہ دیکھے کہ اس نے کل کے لیے کیا سامان کیا ہے۔

قرآن کی دعوت یہ ہے کہ اللہ سے ڈرتے ہوئے زندگی گزاری جائے۔ ہر انسان یہ دیکھے کہ اس نے آج' کل کے لیے کیا سامان کیا ہے۔ یہ کل وہ ہے جو زندگی کی سرحد سے ماورا اپنا وجود رکھتی ہے اور جو زندگی کی سرحد کے اس پار پائی جاتی ہے۔ لہٰذا جس کی فطرت ہی میں ایک واضح مستقبل کی تعمیر ہو' وہ صرف آج کے نفع' آج کی سعی اور جدوجہد پر قانع نہیں ہوسکتا' اس کی نگاہ ہمیشہ کل پر رہے گی۔

ایک تحریک، ایک جدوجہد

یہ بھی واضح رہے کہ اسلام کے معنی تحریک کے ہیں' جب کہ تحریک کے معنی حرکت اور جدوجہد کے ہیں۔ حرکت کے معنی ایک زمانے سے دوسرے زمانے کی طرف سفر کے بھی ہیں' یعنی حال سے مستقبل کی طرف سفر۔ تحریک وہ ہے جو مستقبل کی طرف سفر جاری رکھے۔ اگر وہ حال پر قانع ہوکر رہ جائے اور حال ہی کی کارکردگی پر مطمئن رہے تو یہ تحریک نہیں بلکہ جمود ہے۔ تحریک کی نگاہ ہمیشہ آنے والے کل پہ ہوگی۔ آنے والا کل' آج کی اس کی جدوجہد کو بارآور کرے اور نتیجہ خیز بنائے' یہی اس کا مقصود ہوگا۔

اگر زمانے کے لحاظ سے دیکھا جائے تو رات اور دن کی گردش ایک ایسا عمل ہے جو مسلسل حال کے لمحات کو ماضی میں بدلتا ہے' مستقبل کو حال بنا دیتا ہے' اور مستقبل کا اگلا لمحہ آپ کے دروازے پر دستک دینے لگتا ہے۔ آج تک وقت کی حقیقت اور ماہیت کو کوئی نہیں سمجھ سکا۔ یہ وقت

کا وہ پھیر ہے جس سے ہم سب واقف ہیں کہ گھڑی ٹک نہیں کرتی کہ حال ماضی بن جاتا ہے، مستقبل حال، اور مستقبل کا نیا لمحہ سامنے آن کھڑا ہوتا ہے۔ مستقبل کا یہ لمحہ ایک سیکنڈ کے برابر بھی ہوسکتا ہے، ایک برس کے برابر بھی ہوسکتا ہے اور یہ صدیوں پر بھی محیط ہوسکتا ہے۔ اس سب کے باوجود ہر آن وقت کے ماضی، حال اور مستقبل میں بدلنے سے مفر کی کوئی صورت نہیں۔ انھی لمحات میں سے بعض لمحات ایسے آتے ہیں کہ ایک لمحے میں ہزاروں مہینوں کا کام ہوجایا کرتا ہے اور ایک بالکل نئے مستقبل کی بنیاد پڑ جاتی ہے۔ اس طرح بعض لمحات ایسے آتے ہیں کہ ایک لمحے کی غفلت مستقبل کی منزل کو صدیوں دُور کر دیا کرتی ہے۔

وہ انسان جنھوں نے اپنا دامن اسلام کے ساتھ وابستہ کیا ہوا اپنے وقت، اپنی کوششوں اور اپنی مساعی کی اس قدر و قیمت سے کبھی غافل نہیں ہوسکتے۔ آج دنیا تاریخ کے جس موڑ پر کھڑی ہے، وہ کچھ ایسا ہی لمحہ ہے۔ یہ ایک ایسا لمحہ ہے کہ جب لمحے بھر کی غفلت انسان کو اپنے مستقبل سے صدیوں دُور پھینک سکتی ہے، اور ایک لمحے کی محنت اور توجہ انسان کو اپنی منزل سے قریب بھی کرسکتی ہے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ دنیا زیروزبر ہو رہی ہے اور ہر طرف تغیّر و تبدل کا عمل جاری ہے۔ ایسی کیفیت میں اسلامی تحریک کے لیے، جو عالمی انقلاب کا خواب دیکھ کر وجود میں آئی اور جس نے امامت عالم پر اپنی نگاہیں جمائیں، اور جس نے دنیا کو نئی تہذیب و تمدن سے آشنا کرنے کے لیے انسانوں کی ایک نئی ٹیم بنانے کا کام اپنے ذمے لیا، سوچنے کا لمحہ ہے کہ وہ کہاں کھڑی ہے، اور اسے کیا کرنا چاہیے کہ وہ تاریخ کے اس چیلنج کا جواب دے سکے، جو اُسے اس کی منزل سے قریب کردے۔

اُمت مسلمہ کا عروج و زوال

تاریخ کے اس چیلنج کو بہت مختصراً سمجھنے کے لیے ذرا ذہن میں اس تصویر کو تازہ کیجیے کہ جب چھٹی صدی عیسوی کے ایک دن، صبح صادق سے چند لمحے پہلے، اللہ تعالیٰ نے غارِحرا میں اپنی ہدایت کی پہلی چند کرنیں اپنے محبوبؐ کے قلبِ مبارک میں داخل کیں تو دراصل انسانیت کا مستقبل ایک روشن صبح کے اندر تبدیل ہوگیا۔ یہ صبح ایک ہزار سال تک رہی۔ اگرچہ اس میں تاریکی کے دور بھی آئے لیکن ایک ہزار برس تک اسی پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے متبعین دنیا کے امام اور قائد بنے رہے۔

یہ ابھی تین چار سو سال پہلے کی بات ہے کہ وہ امامت کے اس منصب سے دست بردار ہونے لگے اور اس سے دست کش ہوتے چلے گئے۔ وہ مغرب کہ جہاں وہ کبھی ایک دفعہ شمال سے آئے اور فرانس کے وسط تک پہنچے، اور ایک دفعہ مغرب سے آئے اور جرمنی کی سرحدوں تک دستک دی، وہی مغرب کھڑا ہوا اور اس نے ان کو ایک ایک کر کے انھی علاقوں میں مغلوب کرنا شروع کر دیا جہاں وہ غالب اور حکمران تھے۔ انڈونیشیا، ملایشیا، ہندستان، مصر، عراق، شام، فلسطین، تیونس، الجزائر، مراکش، نائیجیریا، سینیگال، افریقہ، ایشیا، یورپ، غرض کوئی جگہ باقی نہ رہی جہاں پر اُمت مسلمہ کو امامت کے منصب سے بے دخل نہ کر دیا گیا ہو۔

جتنا حیرت انگیز انقلاب چھٹی صدی عیسوی کا تھا جس کو ایک مستشرق یوں بیان کرتا ہے کہ لا الٰہ الا اللہ کی صدا نے عرب کے بسنے والے بدوؤں اور گلہ بانوں کو اس جذبے سے سرشار کیا کہ ۱۰۰ سال کے عرصے میں اسپین کے مرغزاروں سے لے کر چین کے ساحل تک مکہ کے یتیم بچے محمد بن عبداللہ کا نام پکارا جانے لگا اور آوازہ بلند ہونے لگا۔ ایسا معجزہ تاریخ نے کبھی نہیں دیکھا۔

تاریخ نے یہ منظر بھی دیکھا کہ وہی محمد رسولؐ اللہ کے پیرو اور متبعین ایک ایک کر کے ایک ایک علاقے سے اپنی امامت اور حکومت سے بے دخل کر دیے گئے۔ ایک لکھنے والے کے الفاظ میں، ۱۹۲۰ء میں، یہ عالم تھا کہ اگر نگاہ دوڑائی جائے تو ساری دنیا میں صرف چار مسلم ممالک برائے نام آزاد تھے جو اس وقت بڑے غیر اہم ملک تھے، اور وہ تھے سعودی عرب، یمن، افغانستان اور ترکی۔ ان ملکوں کے حکمرانوں کے بارے میں بھی آج یہ کہا جاتا ہے کہ یہ مغربی طاقتوں کے بعض صورتوں میں آلۂ کار تھے اور بعض صورتوں میں تنخواہ دار تھے۔ یہ حال تھا اس صدی کی ابتدا میں مسلم دنیا کا۔

امامتِ عالم کا چیلنج

تحریک اسلامی جو امامتِ عالم کے منصب پر اپنی نگاہیں جمائے ہوئے ہے، جو عالمی انقلاب کا علَم ہاتھ میں تھام کر آگے بڑھی ہے، آج وہ خواہ کتنے ہی مسائل میں گھری ہوئی ہو، اس بات سے آنکھیں نہیں چرا سکتی کہ بالآخر اس کا مقابلہ مغرب کی اسی غالب تہذیب سے، قوت اور عسکری طاقت سے، علم و فن اور ترقی سے ہے جو اب مغرب کے جغرافیائی حدود کے اندر محدود

نہیں ہے بلکہ جکارتہ' ریاض' قاہرہ اور کراچی میں بھی اپنا وجود اور غلبہ رکھتی ہے۔اس کی زبان بولی جاتی ہے۔اس کے ادارے قائم ہیں۔ دستور اور پارلیمنٹ' عدالت اور بنک اور کاروبار اور تجارت' سب پر اسی کی چھاپ' اسی کی مہر اور اسی کا غلبہ ہے۔

اسلامی تحریک کے وہ داعی جو اسلام کو ایک مکمل نظامِ حیات سمجھتے ہیں اور اپنے آپ کو آج کے مسائل میں بری طرح گھرا ہوا اور محصور سمجھتے ہیں' اگر وہ اپنے ماضی کے اس نعرے اور اس دعوت کو اپنے ذہن میں تازہ رکھیں کہ ہم دنیا کی امامت اور ساری دنیا میں انقلاب لانے کے لیے کھڑے ہوئے ہیں' تو وہ سمجھ سکتے ہیں کہ کتنا بڑا چیلنج ہے جو ان کو درپیش ہے۔ میں آپ سے کہتا ہوں کہ مستقبل آپ کے دروازے پر دستک دے رہا ہے' وہ ملت اسلامیہ کا منتظر ہے' لیکن مستقبل کی حیثیت من وسلویٰ کی نہیں ہے کہ وہ خود بخود آپ کی گود میں آن گرے۔ اللہ تعالیٰ نے کسی فرد' کسی قوم' اور کسی تہذیب کے لیے کوئی ایسا مستقبل نوشتۂ تقدیر نہیں کیا ہے کہ جو اس کو خود بخود حاصل ہو جائے۔ مستقبل اسی کا ہے جو اس کے لیے جدوجہد کرے' اس کے لیے محنت اور بھرپور کوشش کرے۔

> وَاَنۡ لَّیۡسَ لِلۡاِنۡسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی ۝ وَاَنَّ سَعۡیَهٗ سَوۡفَ یُرٰی ۝ (النجم ۵۳:۳۹-۴۰) اور یہ کہ انسان کے لیے کچھ نہیں ہے مگر وہ جس کی اس نے سعی کی ہے' اور یہ کہ اس کی سعی عن قریب دیکھی جائے گی۔

گویا انسان کے لیے وہی کچھ ہے جس کے لیے وہ جدوجہد کرتا ہے۔ پھر جیسے جیسے گردش لیل ونہار حال کے لمحات کو ماضی اور مستقبل کو حال بناتی چلی جائے گی' اس جدوجہد کے نتائج وثمرات سامنے آتے چلے جائیں گے' اور سوائے اپنے کیے اور کمائی کے کوئی چیز سامنے نہیں آئے گی۔

اسلام اور مغرب کی کش مکش

اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا کہ جس کو علامہ اقبال نے آج سے نصف صدی سے بھی پہلے بڑے واضح الفاظ میں شیطان کی زبان سے ادا کروایا تھا ؎

جانتا ہے، جس پہ روشن باطنِ ایام ہے
مزدکیت فتنۂ فردا نہیں ، اسلام ہے

یہ اس زمانے کی بات ہے جب کوئی کمیونزم کے زوال کا خواب بھی نہیں دیکھ سکتا تھا لیکن شاعر کی نگاہ دیکھ رہی تھی کہ ابلیسیت کے نظام کے لیے اگر کوئی فتنہ ہے تو وہ اسلام اور ملّت اسلامیہ ہے کہ جو اس کے لیے خطرہ بن سکتی ہے۔ مگر مغرب کے کتنے ہی مرثیے پڑھے جائیں، اس کی خرابیوں کو کتنا ہی کھول کھول کر بیان کیا جائے اور اس پر کتنے ہی تبرے کیوں نہ بھیجے جائیں اور اس کے خلاف کتنے ہی نعرے کیوں نہ بلند کیے جائیں، لیکن یہ بھی ایک ٹھوس حقیقت ہے کہ مغرب کبھی خودبخود زوال پذیر نہیں ہوگا۔

اللہ تعالیٰ نے اسلام اور مسلمانوں کے لیے جو مستقبل لکھ دیا ہے، وہ صرف محنت، بلند نظری، قوتِ اجتہاد اور جہاد و قربانی سے ہی حاصل ہوسکتا ہے۔ اس کے علاوہ اس کی اور کوئی صورت نہیں ہے۔ تحریکِ اسلامی جو امامتِ عالم پر نگاہ رکھتی ہے اور وہ انقلاب لانا چاہتی ہے جو ساری دنیا کو اپنی لپیٹ میں لے لے، جو تہذیب و تمدن کے ایک نئے دور کا آغاز کرنے کے لیے اٹھی ہے، اس کے لیے ناگزیر ہے کہ وہ اس کا ادراک رکھے اور فہم حاصل کرے کہ دراصل کرنے کا کام کیا ہے؟

اگر ہم نبی کریمؐ کی زندگی پر غور کریں یا سید مودودیؒ کے افکار کا جائزہ لیں تو اس بات سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ اسلام ساری انسانیت کے لیے اور سارے عالم کے لیے نجات کا علَم بردار ہے۔ اسی طرح جس تحریک کا اسلامی تحریک ہونے کا دعویٰ ہو، اس کی نگاہ بھی تنگ دائروں کے اندر محصور ہوکر نہیں رہ سکتی۔ جس کی نگاہ آخرت میں اس جنت کے اُوپر ہو جس کی وسعت میں زمین و آسمان سما جائیں، اس کی نظر، اس کی فکر، اس کی جدوجہد اور اس کی سرگرمیاں دنیا میں تنگ نظری کا شکار نہیں ہوسکتی ہیں۔

آج دنیا عرصۂ محشر میں ہے اور اُمت بھی عرصۂ محشر میں ہے۔ یہ دورِ جدید جس سے ہم گزر رہے ہیں، اس کی چند خصوصیات کا بھی مختصراً آپ کے سامنے ذکر کرتا چلوں۔

تغیر حالات پر نظر

آج کے دور میں جس تیزی سے تغیرات برپا ہو رہے ہیں، اس کا کوئی تصور آج سے ۱۰۰ سال پہلے نہیں کیا جاسکتا تھا۔ بات کسی محدود خطے کی ہو یا ذرائع ابلاغ کی وسعت کی، انسانی آبادی کی ہو یا انسانی وسائل کے استعمال کی، سائنسی ترقی کی ہو یا قدرت کے رازوں کے انکشاف

کی' تغیر و تبدل کی جو رفتار اس صدی میں ہے' وہ اس سے پہلے کبھی نہیں تھی۔ ایک اندازے کے مطابق پہلے جو کام ایک سال میں ہوا کرتا تھا وہ اب ایک ایک گھنٹے میں ہو جاتا ہے۔ اس کی بے شمار مثالیں موجود ہیں جنھیں بیان کرنے کی ضرورت نہیں۔

اسی کے نتیجے میں جو دوسری تبدیلی آئی ہے وہ یہ ہے کہ یہ کرۂ ارض جو بہت سے براعظموں پر مشتمل ہے' ایک چھوٹا سا گاؤں بن کر رہ گیا ہے۔ دنیا کے کسی خطے میں کوئی واقعہ رونما ہو جائے' چند لمحوں میں دنیا کے ایک کونے سے دوسرے کونے تک بات پہنچ جاتی ہے۔ ایک وقت تھا کہ مسلمان قائد بحراوقیانوس کے ساحل پر کھڑے ہو کر کہتا تھا کہ اے خدا! اگر مجھے یہ معلوم ہوتا کہ سمندر کے پار بھی زمین ہے' اور وہ امریکا کی زمین تھی' تو میں اپنے گھوڑے سمندر میں ڈال دیتا اور اس سرزمین تک جا پہنچتا۔ اس وقت دنیا اس قدر بٹی ہوئی اور اتنے فاصلوں پر تھی۔ لوگ ایک دوسرے سے ناواقف تھے۔ مگر آج کی دنیا میں' کسی ملک' کسی گوشے اور افریقہ کے کسی تاریک ترین جنگل میں ہونے والا واقعہ بھی پوری دنیا کی آنکھوں سے چھپا نہیں رہ سکتا۔ یہ وہ دو چیزیں ہیں کہ جو بالکل واضح اور صاف طور پر ہمارے سامنے ہیں۔

اُمت محمدیؐ کا مشن اور خواب

مستقبل کی یہ منزل ہمارے افکار اور ہماری تحریک میں اس لیے نہیں آگئی ہے کہ ہمارے لٹریچر میں موجود ہے بلکہ پوری کی پوری سیرت رسولؐ اسی بات پر گواہ اور شاہد ہے۔

ہمارے سیرت نگار جس واقعے کو انتہائی مبالغے کی زبان میں یوں ادا کرتے ہیں کہ جب حضوؐر اس دنیا میں تشریف لائے تو فارس کے آتش کدے بجھ گئے اور کسریٰ کے مینار گر گئے مگر استعارے کی یہ زبان چند برسوں میں ایک حقیقت بن گئی۔

مکہ میں جو چند مٹھی بھر آدمی کوڑوں اور پتھروں کی زد میں تھے ان کو یہ خوش خبری سنائی جاتی تھی کہ پورا عرب تمھارے قدموں میں ہوگا اور عجم تمھارے زیرنگیں ہوگا۔ خانہ کعبہ کی دیوار سے ٹیک لگائے جب حضوؐر سے صحابہ کرامؓ آکر شکایت کرتے کہ اب تو مظالم کی حد ہوگئی ہے' دعا کیجیے تو ان کو یہ خواب دکھایا جاتا کہ ایک وقت آئے گا کہ ایک تنہا عورت عرب کے ایک سرے سے

دوسرے سرے تک سفر کرے گی اور کوئی اس کو آنکھ اٹھا کر دیکھنے کی جرأت نہیں کر سکے گا۔

جب دو آدمی مدینے کا سفر کر رہے تھے جو ہماری زبان میں ہجرت کا سفر تھا' اور ہمارے دشمنوں کی زبان میں دو آدمی اپنی جان بچا کر دشمنوں سے بھاگ رہے تھے اور اس وقت جب سراقہ نے ان کو دیکھ لیا تو یہ خواب بھی دکھایا گیا کہ سراقہ کے ہاتھوں میں کسریٰ کے کنگن ہوں گے۔

غزوۂ خندق کے موقع پر سارا عرب اُمنڈ آیا تھا اور مدینہ پر چڑھ دوڑا تھا اور مدینہ کے مٹھی بھر انسان اس وقت ہلاکت کی زد میں تھے' جب کہ چند گز کی خندق تھی جو ان کو ہلاکت سے بچائے ہوئے تھی۔ اس وقت بھی خندق کی کھدائی کے دوران جب ایک سخت چٹان پر کدال کی ضرب لگنے پر چنگاریاں نکلتی ہیں تو ارشاد ہوتا ہے کہ مجھے قیصر کے خزانے دکھائے گئے ہیں۔ دوسری ضرب پڑتی ہے تو کہا جاتا ہے کہ مجھے کسریٰ کے خزانے دکھائے گئے ہیں۔ غرض مٹھی بھر جماعت بھی اس سے غافل نہیں تھی کہ یہ کام محض مکہ اور مدینہ کا نہیں ہے' یا محض عالمِ عرب کا نہیں ہے بلکہ یہ کام تو پورے عالم میں انقلاب برپا کرنے کا ہے۔

جو تحریک اور جماعت حال میں گم ہو کر رہ جائے' وہ بالآخر ماضی کے اوراق کا ایک نقش بن کر رہ جاتی ہے۔ اس کے مقابلے میں جو تحریک اور جماعت مستقبل کے لیے کمربستہ ہو کر جدوجہد کرے اور وہ صفات اپنے اندر پیدا کرے جس سے مستقبل کے چیلنج کا مقابلہ ہو سکتا ہے' بالآخر اللہ کی مشیت اس کے لیے مستقبل کو مقدر کر دیتی ہے۔

مغربی تہذیب کا چیلنج

عصرِ حاضر میں' اُمت مسلمہ کو درپیش آج کے چیلنج میں اصل حیثیت مغرب کی ہے۔ مغرب سے میری مراد وہ جغرافیائی خطہ نہیں ہے جس کو ہم یورپ کے نام سے پکارتے ہیں' بلکہ مغرب کی وہ تہذیب ہے جو جکارتہ سے لے کر رباط تک ہر مسلمان ملک میں سرایت کر چکی ہے' اس کے قلب میں داخل ہو چکی ہے' اس کے گھروں میں داخل ہو رہی ہے' اس کی عورتیں اور بچے اس کی زد میں ہیں۔

ایک امریکی پروفیسر کے الفاظ میں: آپ کہتے ہیں کہ ہماری تہذیب و تمدن آپ کے ہاں سے رخصت ہو چکی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ آپ کہیں چلے جائیں آپ کو جین اور کوکا کولا دونوں

چیزیں نظر آئیں گی۔ ہماری تہذیب سے اگر کوئی بچا ہو تو وہ کوکا کولا کی کشش سے اپنے آپ کو نہیں بچا سکتا، اور کوئی نوجوان ہو تو وہ جین پہننے سے باز نہیں رہ سکتا۔

مغرب کو بھی اسلام سے ایک ہزار سال تک اسی چیلنج سے سابقہ رہا ہے۔ مغرب کی تاریخ اس بات پر گواہ ہے کہ ایک ہزار سال تک مغرب کے سوچنے والے، مغرب کے سیاست دان اور حکمران، سب کو اسی بات کی فکر تھی کہ اسلام اور مسلمانوں سے کیسے بچا جاسکے۔ ایک زمانہ تھا کہ یورپ میں مائیں اپنے بچوں کو یہ کہہ کر ڈرایا کرتی تھیں کہ ذرا ٹھیک رہو ورنہ ترک آجائیں گے۔ ایک وہ زمانہ تھا جب اسپین میں تہذیب کی شمعیں اور جنوب میں عثمانیوں کی تلوار، دونوں ایک پیغام تھے اور مغرب اس سے لرزہ براندام تھا۔ پھر ۱۸ویں صدی میں وہ لمحہ بھی آیا کہ مغربی مفکرین نے کہا کہ اب وہ خطرہ ٹل چکا ہے۔ وہ وحشی، وہ بدوؤ وہ بکریاں چرانے والے، وہ کھجوروں کے کاشت کار جو عرب سے نکل کر آئے تھے اور جنھوں نے ایک ہزار سال تک سسلی، اسپین، ہنگری، یوگوسلاویہ، بلغاریہ اور مشرق وسطیٰ میں حکومت کی، اور بیت المقدس پر قبضہ کیا اور فلسطین کو ہم سے چھین لیا——اب ہمیں ان سے کوئی خطرہ نہیں۔

ابھی ۲۰ویں صدی ختم ہونے کو نہیں آئی تھی کہ مغرب کو اس بات کا احساس ہوا کہ چھٹی صدی میں جو تہذیب، جو تمدن، جو عقیدہ اور جو نظام دنیا کے سامنے آیا تھا وہ آج بھی اپنے اندر اتنی قوت رکھتا ہے کہ قوموں کی قوموں کو کھڑا کرسکتا ہے۔ انقلابِ ایران سے خواہ ہمیں اختلاف ہو یا اتفاق اور اس انقلاب کی خرابیاں اپنی جگہ لیکن اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ اس انقلاب کے بعد مغرب اور اسلام کا تعلّق اب وہ نہیں ہوسکتا جو ۱۰۰ سال سے تھا۔ اس لیے کہ مغرب نے اس بات کو بخوبی جان لیا ہے کہ اسلام میں اتنی قوت ہے کہ وہ ایک پوری قوم کو اُٹھا کر کھڑا کرسکتا ہے جو ان کے مہرے کو اٹھا کر پھینک دے اور ان کے نظام کو درہم برہم کردے۔ ۱۹۷۸ء کے بعد سے کتابوں کا ڈھیر لگ گیا۔ مفکرین، مدبرین، سیاست دانوں کے بیانات کا طومار بندھ گیا کہ اب اگر خطرہ ہے تو اسلام اور مسلمانوں سے ہے۔

اسلام اور مغرب کے حوالے سے درپیش اس چیلنج کے چند پہلو بہت اہم ہیں جو ہمارے سامنے رہنے چاہییں۔ یہ ہماری گفتگو کے تین حصوں، یعنی 'مستقبل، چیلنج اور ہم' میں سے تیسرے

لفظ 'ہم' جو میری نظر میں اس گفتگو کا سب سے اہم حصہ ہے' کی وضاحت پر بھی مبنی ہوگا۔

مستقبل کا ادراک

مستقبل کے چیلنج کا سامنا بھی وہی لوگ کرسکتے ہیں جو اس کا ادراک اور اس کا شعور رکھیں۔ اگر اس بات کو پوری طرح سمجھا جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ہم اس کا خواب دیکھیں کہ کل ہمارا ہوگا۔ جو لوگ اُونچے اُونچے خواب نہیں دیکھ سکتے وہ دنیا میں بڑے بڑے کام بھی نہیں کرسکتے۔ میں نے آپ کو وہ خواب دکھائے جو غارِحرا سے لے کر غزوۂ خندق تک دیکھے جاتے رہے اور دکھائے جاتے رہے۔ اگر ایک حوالے سے ان خوابوں کو دیکھا جائے تو جنون کی حد تک وہ پاگل پن دکھائی دیں گے اور لوگ کہتے تھے کہ یہ مجنون ہے' پاگل ہے (نعوذ باللہ)' ایسی باتیں کرتا ہے کہ سارا عرب وعجم' قیصرو کسریٰ کے سارے خزانے ہمارے زیرنگیں ہوں گے' اور کسریٰ کے کنگن سراقہ کے ہاتھوں میں ہوں گے۔ یہ خواب کون دیکھ سکتا تھا اور کہاں پورا ہوسکتے تھے لیکن اس خواب کو عام خواب کے معنوں میں نہ لینا چاہیے' اس لیے کہ نبی کے خواب بھی سچے ہوا کرتے ہیں۔

آج بھی وہی اسلامی تحریک مستقبل کی تعمیر کرسکتی ہے جو اپنے نبی کی طرح یہ خواب دیکھے کہ لندن' واشنگٹن' ماسکو' سب ہمارے ہیں' ہمارے بن سکتے ہیں اور یہ ہمارا مقدر ہیں۔ لیکن یہ ہم کو اس وقت ملیں گے جب ہم اپنے آپ کو اس کا مستحق ثابت کریں گے۔

مستحق کا لفظ آیا تو اس سے پہلے کہ میں آگے بڑھوں اور آپ کے سامنے یہ چیز رکھوں کہ وہ کون سے ضروری پہلو ہیں کہ جن کے بغیر ہم مستقبل کے چیلنجوں کا مقابلہ کامیابی کے ساتھ نہیں کرسکتے اور یہ مستقبل ہمارا نہیں بن سکتا۔ میں مشہور برطانوی ہفت روزہ اکانومسٹ کے ایک تجزیے کا تذکرہ کروں گا۔ جب کمیونزم کا زوال ہوا تو اس نے ایک مختصر مگر جامع تجزیہ پیش کیا کہ تاریخِ عالم میں وہ کون سے بڑے بڑے واقعات ہوئے کہ جنھوں نے تاریخ کا رخ پلٹ دیا اور انسان کو ایک نئی زندگی اور نئے مستقبل سے روشناس کیا۔ اس نے اس میں ہجرت کے واقعے کا بھی حوالہ دیا کہ یہ واقعہ بھی ایسا تھا کہ جس نے تاریخ کا رخ پلٹ دیا اور بدل کر رکھ دیا۔

اس تجزیے کے مطابق کمیونزم کا زوال کوئی ایسا واقعہ نہیں کہ جس سے انسان کی قسمت یا

تقدیر بدل جائے۔ پھر وہ لکھتا ہے کہ وہ کون سے مسائل ہیں کہ جن کے گرد آنے والی دنیا میں انقلاب برپا ہوگا اور انسانیت کے لیے نیا مستقبل نئے سرے سے تعمیر ہوگا۔ وہ کہتا ہے کہ یہ وہ مسائل ہیں جو غیب کی دھند میں پوشیدہ ہیں جن کی طرف مسلمان بنیاد پرست اور عیسائی بنیاد پرست دونوں اشارہ کر رہے ہیں۔ ان مسائل کا تعلق سیاست اور معیشت سے نہیں ہے بلکہ ان کا تعلق عالمِ غیب' یعنی خدا' آخرت اور رسالت وغیرہ سے ہے۔ مذہبی حوالے سے بظاہر یہ بات بڑی خوش آیند ہے لیکن آگے چل کر وہ لکھتا ہے کہ افسوس کی بات یہ ہے کہ نہ مسلمان بنیاد پرست اور نہ عیسائی بنیاد پرست اس کے اہل دکھائی دیتے ہیں کہ وہ انسانیت اور دنیا کو اس نئے مستقبل سے روشناس کرواسکیں جس کی کلید ان کے ہاتھوں میں ہے اور جس کے گرد دنیا میں انقلاب برپا ہونے والا ہے۔ ان میں وہ بصیرت اور قوت نظر نہیں آتی' وہ قوت اجتہاد نہیں پائی جاتی کہ وہ دنیا کے تہذیب و تمدن کے امام بن کر دنیا کو ایک نئے مستقبل سے روشناس کرواسکیں۔

میں نے اس تجزیے کا تذکرہ اس لیے بھی کیا کہ یہ پہلو بھی نگاہوں کے سامنے رہے کہ اہلِ مغرب مسلمانوں کے بارے میں اور دنیا کے مستقبل کے حوالے سے کیا سوچ رہے ہیں۔

امامتِ عالم اور وسعت

جس کو ساری انسانیت کا امام بننا ہو'اس کو ہر لحاظ سے اپنے اندر وسعت پیدا کرنا ہوگی اور ایک دنیا کو اپنے اندر سمونا ہوگا اور ساتھ لے کر چلنا ہوگا۔ اسے اپنے دل کے اندر وسعت پیدا کرنا ہوگی' وہ وسعت کہ جس میں سارے لوگ سما جائیں' دماغ کی وسعت کہ جو سارے افکار کا مقابلہ کرسکے' عمل کی وسعت کہ جو سارے انسانوں کو اپنے اندر سمیٹ سکے۔ جس کا دل تنگ ہو' جس کی نظر تنگ ہو' جس کا دماغ محدود ہو' جو اپنے ناک سے آگے نہ دیکھ سکتا ہو' وہ ساری دنیا کا امام نہیں بن سکتا۔ صحابہ کرامؓ قیصروکسریٰ کے دربار میں کھڑے ہوکر کہا کرتے تھے کہ ہم تو اس لیے آئے ہیں کہ تم کو دنیا کی تنگیوں سے نکال کر آخرت کی وسعت تک پہنچا دیں۔

جو اس جنت کا طلب گار ہو جس کی وسعت میں زمین و آسمان سما جائیں' نہ اس کا دل تنگ ہوسکتا ہے نہ نگاہ' نہ اس کا دماغ تنگ ہوسکتا ہے نہ فکر سطحی اور نہ اس کی نظر محدود ہوسکتی ہے۔ جس

طرح ایک پرندہ سب انڈوں کو اپنے پروں کے نیچے چھپالیتا ہے، اسی طرح وہ سارے انسانوں کو اپنے ساتھ لے کر چل سکتا ہے۔ اس کے اندر یہ صلاحیت ہوتی ہے کہ وہ ہر قسم کے حالات اور ماحول میں اپنے مشن کے اوپر، اپنے موقف کے اوپر تمام انسانوں کو جمع کر سکے۔ لہٰذا امامتِ عالم کے لیے مقاصد میں، دل میں، فکر میں، نظر میں اور رویوں میں تنگی کے بجاے وسعت ناگزیر ہے۔ اسی لیے یہ فرمایا گیا ہے کہ یہ دین تو ہے ہی اس لیے کہ اس کے اندر سب لوگوں کو سمیٹ لیا جائے۔ یہ لوگوں کو بھگانے یا کاٹ پھینکنے کے لیے نہیں آیا۔ یہ تو آیا ہی اس لیے ہے کہ لوگوں کو اپنی طرف کھینچ لے۔ اسی بات کے پیشِ نظر نبی کریمؐ نے بشروا ولا تنفروا کی ہدایت کی، یعنی خوش خبری کی شیرینی سے لوگوں کو اپنی طرف کھینچو اور متنفر مت کرو۔ اس لیے کہ مسلمانوں کو تو ساری دنیا کا امام بننا ہے۔ لہٰذا وہ معمولی معمولی بحثوں اور مسائل اور تنگ نظری کے اندر مبتلا نہیں ہوسکتے۔

اگر مسلمانوں کی ۱۴۰۰ سال کی تاریخ کو اٹھا کر دیکھا جائے تو جب مسلمان ایک کے بعد ایک ملک فتح کرتے ہوئے دنیا کے امام بنتے چلے جارہے تھے، ان کے درمیان اختلافات بھی تھے (سقیفہ بنی ساعدہ سے اختلافات شروع ہوگئے تھے)، جو سیاسی بھی تھے اور فقہی بھی، مگر ان سب کے باوجود وہ ایک تھے۔ چار امام اور بہت سے سیاسی اختلافات ہونے کے باوجود ان کے اندر وسعت تھی کہ وہ لوگوں کو اپنے اندر سمیٹ سکیں۔ اگر چند سو آدمی پورے اسپین پر غلبہ حاصل کرسکتے تھے اور چند سو آدمی پورے ہندستان پر غلبہ پاسکتے تھے، اور چند تاجر جاکر ہندستان کے ساحل، ملایشیا اور انڈونیشیا، ہر جگہ اسلام پھیلا سکتے تھے تو اس کی بنیادی وجہ یہی تھی کہ ان کے دل و نگاہ میں وسعت تھی۔ وہ لوگوں کو اپنے اندر سمیٹ سکتے تھے، اپنے اندر جذب کرسکتے تھے۔ ہر رنگ، ہر مسلک اور ہر قسم کے انسانوں کو اپنے ساتھ لے کر چل سکتے تھے۔ اس لیے کہ جس کو امامتِ عالم کا منصب سنبھالنا ہو، اس کا ناگزیر تقاضا وسعت قلبی اور اختلافات کے باوجود لوگوں کو ساتھ لے کر چلنا ہے۔

دعوتِ عام اور راے عامہ کی تشکیل

امامتِ عالم کے منصب کے حصول کے لیے اس سے کوئی مفر نہیں کہ اسلامی تحریک دعوتِ عام کے میدان میں اُتر جائے۔ سید مودودیؒ نے پاکستان بننے کے فوراً بعد ہی یہ کہا تھا کہ

اب ہماری تحریک دعوتِ عام اور توسیع کے مرحلے میں داخل ہوچکی ہے۔ اب ہماری منزل اپنی دعوت کو بڑے پیمانے پر پھیلانا ہے' جلد سے جلد پھیلانا ہے' لوگوں تک پہنچنا ہے اور اپنے آپ کو وسیع سے وسیع تر کرنا ہے۔ اب یہی ہماری منزل ہے۔ انھوں نے تحریک اسلامی اوراس کا آیندہ لائحہ عمل میں یہ بات کھول کر بیان کی ہے۔

جماعت اسلامی کے قیام کے ایک ہی سال کے بعد سید مودودیؒ نے اس بات کو واضح انداز میں بیان فرما دیا تھا کہ جس طرح تعمیری کاموں کے بغیر کوئی اسلامی انقلاب رونما نہیں ہوسکتا' اسی طرح یہ بھی ممکن نہیں ہے کہ عامۃ الناس میں اسلام پھیلائے بغیر کوئی انقلاب برپا ہوسکے۔ اربوں انسانوں کو ہماری دعوت اور پیغام سے واقف ہونا چاہیے۔ کروڑوں انسانوں کو اس حد تک اس سے متاثر ہونا چاہیے کہ وہ اس کو حق مانیں اور اس کے لیے اُٹھ کھڑے ہوں۔ اس کے بغیر نہ اس ملک میں انقلاب آسکتا ہے اور نہ دنیا میں انقلاب برپا ہوسکتا ہے۔ چنانچہ دعوتِ عام ملک میں اور ملک سے باہر' اس کا خواب انھوں نے جماعت اسلامی کے قیام کے بالکل ابتدائی دور میں بھی دکھایا تھا اور اس کے بعد بھی دکھایا۔ یہ وہ مرحلہ ہے کہ جس کو طے کیے بغیر اس کا کوئی امکان نہیں کہ امامتِ عالم کا منصب اور آج کے دور کے چیلنج کا ہم مقابلہ کرسکیں۔

انبیائے کرامؑ کا اسوہ کیا تھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ میری مثال ایسی ہے کہ کہیں آگ جل رہی ہو اور تم لوگ ہو کہ پروانوں کی طرح دوڑ دوڑ کر اس آگ میں گر رہے ہو' اور میں ہوں کہ کمر سے پکڑ پکڑ کر تمھیں اس آگ سے بچانے کی کوشش کر رہا ہوں۔

جو لوگ انبیاؑ کے اس مقام سے واقف ہوں اور جو نبیؐ کی دی ہوئی اس تمثیل کو ذہن میں رکھتے ہوں اور یہ جانتے ہوں کہ وہ آگ بھڑک رہی ہے جس میں دنیا کی قومیں سر کے بل گر رہی ہیں کہ جن کو کمر سے پکڑ پکڑ کر بچانا ہماری ذمہ داری ہے' وہ آخر اس جذبے سے کیسے خالی ہوسکتے ہیں کہ جہاں تک ممکن ہو ہمیں لوگوں کو اس آگ میں گرنے سے بچانا ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اس امت کو اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ کہا ہے' جسے لوگوں کے لیے نکالا گیا ہے۔ یہی وہ تعریف ہے جو ہم اپنے لٹریچر میں' اپنی تقریروں میں اور اس آیت میں سنتے ہیں:

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ تَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ

وَ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ط (اٰل عمرٰن ۳:۱۱۰) اب دنیا میں وہ بہترین گروہ تم ہو جسے انسانوں کی ہدایت و اصلاح کے لیے میدان میں لایا گیا ہے۔ تم نیکی کا حکم دیتے ہو، بدی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔

شاید ان دولفظوں کے اندر جو وسعت اور گہرائی ہے اس پر ہم نے پوری طرح غور نہیں کیا ہے۔ یہ اُمت تو برپا ہی ساری انسانیت کے لیے کی گئی ہے۔ یہ محض اپنے لیے برپا نہیں کی گئی ہے، یہ صرف پاکستانیوں کے لیے نہیں کی گئی ہے، بلکہ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ ہے، یہ سارے انسانوں کے لیے برپا کی گئی ہے۔ لہٰذا اس کی دعوت سارے انسانوں کے لیے عام ہونی چاہیے۔

معاشرتی بگاڑ اور اسلامی معاشرے کا قیام

وہ لوگ جنھیں ایک معاشرے کو بدل کر ایک نئے معاشرے کی باگ ڈور اپنے ہاتھ میں لینا ہو، ایک نئے معاشرے کی قیادت کو سنبھالنا ہو، ان کے لیے بھی، اور جسے سارے عالم کی قیادت سنبھالنا ہو، اس کے لیے بھی یہ مسئلہ ہے کہ سارے کے سارے انسان کبھی ایک جیسے نہیں ہو سکتے، ایک معیار کے نہیں ہو سکتے۔ اس کا کوئی امکان نہیں ہے۔ اس بات کو ایک مثال سے یوں سمجھیے کہ یہ نہیں ہوسکتا کہ ساری کی ساری بھیڑیں یا تو سفید ہوں یا کالی۔ عملاً صورت حال تو یہ ہوگی کہ کالی اور سفید بھیڑوں کے درمیان ۹۹ فی صد بھیڑیں وہ ہوں گی، جن کی سفید اور کالی کھالوں کے اوپر سیاہ اور سفید دھبے موجود ہوں۔ کچھ ایسی ہی صورت حال انسانی معاشرے کی بھی ہے۔

انسانی معاشرے کو اس صورت حال سے کوئی مفر نہیں۔ مدینے کے معاشرے میں عبداللہ بن ابی جیسے رئیس المنافقین بھی تھے اور ضعیف الایمان لوگ بھی تھے۔ وہ لوگ بھی تھے جو میدانِ جہاد میں نبی کریمؐ کو تنہا چھوڑ کر پلٹ آیا کرتے تھے، اور وہ لوگ بھی تھے کہ حضورؐ منبر پر کھڑے ہو کر خطبہ دے رہے ہیں اور وہ آپؐ کو چھوڑ کر مالِ تجارت کے لیے دوڑ پڑتے تھے۔ ان سارے لوگوں کی مثالیں قرآن مجید کے اندر موجود ہیں۔

یہ کبھی ممکن نہیں ہے کہ پورے کا پورا معاشرہ ایک رنگ میں، ایک معیار پر قائم ہو جائے۔ لہٰذا جن کو معاشروں کو لے کر چلنا ہو، جن کو پوری کی پوری ریاستوں کو لے کر چلنا ہو اور جن کو

سارے کے سارے عالم کو اپنے ساتھ لے کر چلنا ہو' ان کو اپنے اندر یہ صلاحیت پیدا کرنا ہوگی کہ وہ ہر قسم کے انسانوں کو اپنے ساتھ لے کر چل سکیں۔ گناہ گار بھی آئیں تو شفقت پائیں اور گناہ سے مغفرت اور نجات پائیں۔

یہ ایک عملی دشواری ہے کہ ایک بگڑے ہوئے معاشرے کو بدلنا ہے اور اس بگڑے ہوئے معاشرے کے انسانوں کی اصلاح کے ذریعے انھیں ایک قوت میں ڈھالنا ہے۔ بظاہر یہ ایک متضاد بات ہے۔ اسی لیے بعض دفعہ لوگ مایوس ہوجاتے ہیں کہ عوام ایسے ہیں' جاہل ہیں' کالانعام ہیں تو یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ ان کے ذریعے یہاں پر اسلامی انقلاب برپا ہوجائے۔ تحریک اسلامی کو تو ابھی اسی ملک کے عوام سے واسطہ درپیش ہے۔ اگر ہم عالمی چیلنج کا سوچیں تو افریقہ کے جنگلات میں' نیویارک اور واشنگٹن میں اور ٹوکیو میں' ساری دنیا میں بسنے والے انسانوں سے ہمیں معاملہ کرنا ہے۔ ان سب تک ہمیں محمد رسولؐ اللہ کا پیغام پہنچانا ہے۔ انھیں کس طرح سے ایک قوت میں ڈھالنا ہے' یہ ایک بہت بڑا چیلنج ہے جو اُمت مسلمہ کو درپیش ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: دو ہی طریقوں سے کامیابی حاصل ہوسکتی ہے:

هُوَ الَّذِیْٓ اَیَّدَكَ بِنَصْرِهٖ وَبِالْمُؤْمِنِیْنَ ۝ (انفال ۸:۶۲)

وہی تو ہے جس نے اپنی مدد سے اور مومنوں کے ذریعے تمھاری تائید کی۔

مومنین کی یہ جماعت انسانوں ہی کے ذریعے بن سکتی ہے۔ حضوؐر کی روش ہمارے سامنے ہے۔ ہر طرح کے لوگ آتے تھے اور آپؐ سے فیض پاتے تھے۔ کمزور بھی آتے تھے اور گناہ گار بھی اور مضبوط ایمان والے بھی' سب مل کر آپؐ کے ساتھ کام کرتے تھے جو آپؐ کے پیش نظر تھا۔

ایک روشن مثال

سید قطبؒ اپنی تفسیر فی ظلال القرآن میں' آخری پارے میں ایک واقعے کا تذکرہ کرتے ہیں اور اس سے آپ کے سامنے پورا منظر آسکتا ہے کہ کس طرح معاشروں کو چلایا جاسکتا ہے اور معاشروں پر غالب آیا جاسکتا ہے۔

ایک شخص حضوؐر کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنی ضرورت کا اظہار کیا اور کہا کہ میری کچھ مدد

کیجیے۔ آپؐ نے اس کی کچھ مدد کی مگر وہ اس کی نظر میں کم اور ناکافی تھی۔ اس پر اس نے کہا: آپؐ اچھے آدمی نہیں ہیں، آپؐ کا قبیلہ بھی اچھا نہیں ہے، آپؐ فیاض نہیں ہیں اور آپؐ کے آباواجداد بھی فیاض نہیں تھے۔ اس نے بہت کچھ کہہ ڈالا۔ یہ سن کر صحابہ کرامؓ کے چہرے غصّے سے سرخ ہوگئے اور ہونے بھی چاہییں تھے۔ وہ اس کو مارنے کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے مگر آپؐ نے ان کو روک دیا۔

یہ کہہ کر آپؐ اپنے حجرے میں چلے گئے۔ پھر اس آدمی کو بھی اندر بلایا اور اس کو مزید کچھ دیا اور کہا کہ اب تو خوش ہو۔ اس نے کہا کہ آپؐ بڑے اچھے آدمی ہیں، بڑے فیاض ہیں، بڑے اچھے خاندان کے ہیں اور آپؐ سے بہتر کوئی آدمی نہیں۔ حضورؐ نے فرمایا: اچھا، ابھی باہر جو بات تم نے کہی تھی، میرے ساتھی اس سے بہت ناراض ہیں۔ کیا ایسا ہوسکتا ہے کہ کل تم پھر آؤ اور جو بات تم نے ابھی کہی ہے ان سب کے سامنے بھی دہراؤ۔ اس نے کہا کہ مجھے کیا تامل ہے، میں آجاؤں گا۔

اگلے دن آپؐ مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے کہ وہ آدمی پھر آیا۔ آپؐ نے پورا واقعہ صحابہ کرامؓ کے سامنے بیان کیا کہ کل یہ شخص آیا تھا اور اس نے جو بات کہی تھی اس سے تمھیں رنج ہوا تھا۔ اب یہ کچھ اور بات کہتا ہے وہ بھی تم سن لو۔ جب اس نے کل والی بات دہرائی اور حضورؐ کی فیاضی بیان کی تو صحابہؓ بہت خوش ہوئے۔

اس پر آپؐ صحابہ کرامؓ سے مخاطب ہوئے اور یہ بات ہم سب کے لیے بہت اہم اور بہت غور طلب ہے۔ آپؐ نے فرمایا کہ میری اور تمھاری مثال ایسی ہے کہ جیسے کوئی اُونٹنی کا مالک ہو اور وہ اس اُونٹنی پر سوار ہوا تو وہ بے قابو ہوگئی، اور اس کے ساتھی ڈنڈے لے کر اس اُونٹنی کو قابو میں کرنے کے لیے اس کے پیچھے دوڑ پڑے۔ مگر وہ انھیں دیکھ کر مزید بدک گئی۔ اس پر مالک نے ان سے کہا کہ ٹھیر جاؤ۔ اس اُونٹنی کا معاملہ تم میرے اُوپر چھوڑ دو، میں اس کو سدھار لوں گا۔ اس کے بعد اس اُونٹنی کے مالک نے اپنے ہاتھ میں کچھ چارہ لیا اور وہ اس اُونٹنی کو دکھایا۔ جب اُونٹنی نے دُور سے چارہ دیکھا تو وہ پلٹ آئی اور آہستہ آہستہ قریب آتی گئی۔ جب وہ مالک کے بالکل قریب آگئی تو مالک نے چارہ اس کے سامنے ڈال دیا۔ جب وہ چارہ کھانے میں مصروف ہوگئی تو اس نے اس کے اُوپر کجاوہ کسا، اس پر بیٹھا اور اپنی منزل کی طرف چل پڑا۔

ان الفاظ کے اندر جو حکمت پوشیدہ ہے ان پر غور کیجیے۔ ان معاشروں پر کجاوہ کس کر سواری

کرنے کے لیے اور ان پر بیٹھ کر اپنی منزل کی طرف روانہ ہونے کے لیے، اور ان کی قیادت سنبھالنے کے لیے، ان کی باگ ڈور اپنے ہاتھ لینے کے لیے ہمیں اُونٹنی کے اس مالک کی طرح بننا پڑے گا جس کی مثال سیرت کے اس واقعے کے اندر موجود ہے۔

صلاحیت اور استعداد کا لحاظ

ایک اور پہلو جس کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں فرمایا کہ سب سے اچھا دین وہ ہے جو 'حنیفیت' اور 'سہل' پر مبنی ہو۔ حنیفیت یہ ہے کہ آدمی صرف اللہ کا ہو جائے اور 'سہل' کا مطلب آسانی ہے۔ مختصراً یہ کہا جاسکتا ہے کہ ہر شخص پر اس کی استطاعت کے مطابق بوجھ ڈالا جائے۔ کسی پر اس کی استعداد سے زیادہ بوجھ نہ ڈالا جائے۔ اس پہلو کو بھی ایک مثال سے سمجھا جاسکتا ہے۔

جب کثرت سے لوگ اسلام میں داخل ہو رہے تھے، اور یدخلون فی دین اللّٰہ افواجا کا منظر تھا تو ایک وفد حضورؐ کے پاس آیا۔ ایک شخص نے حضورؐ سے پوچھا کہ آپؐ کا قاصد ہمارے پاس آیا اور اس کا یہ کہنا ہے کہ آپؐ کو اللہ تعالیٰ نے اپنا رسول بنا کر بھیجا ہے۔ کیا وہ سچ کہتا ہے؟ آپؐ نے فرمایا: ہاں، وہ سچ کہتا ہے۔ اس نے آپؐ کو قسمیں دے دے کر پوچھا کہ کیا واقعی آپؐ کو اللہ نے رسول بنایا ہے؟ پھر وہ کہتا ہے کہ کیا نماز پڑھنے کا حکم واقعی اللہ نے آپؐ کو دیا ہے؟ آپؐ نے فرمایا: ہاں۔ پھر وہ روزہ رکھنے کے بارے میں پوچھتا ہے کہ کیا واقعی آپؐ کو اللہ نے حکم دیا ہے؟ آپؐ نے فرمایا: ہاں۔ اس طرح اس نے حج اور دوسری چیزوں کا ذکر کیا اور کہا کہ اگر یہی آپؐ کو اللہ نے حکم دیا ہے تو میں ان پانچ ارکان میں نہ کمی کروں گا نہ زیادتی۔ اس کے بعد وہ چلا گیا۔ جب وہ چلا گیا تو حضورؐ نے فرمایا کہ اگر تمھیں کسی ایسے آدمی کو دیکھنا ہو جو اپنے مقصد میں کامیاب ہو گیا تو اس شخص کو دیکھ لو۔ مگر سب سے یہی مطالبہ نہیں تھا۔ بعض لوگوں سے یہ مطالبہ تھا کہ تم کسی سے کچھ نہ مانگو گے، یہاں تک کہ اگر گھوڑے کا کوڑا بھی نیچے گر جاتا تو وہ دوسروں سے نہیں کہتے تھے کہ اٹھا کر ہمیں دے دو بلکہ خود نیچے اُتر کر اٹھا لیتے تھے۔ بہت سوں سے جان و مال کی بیعت اور عہد لیا جاتا تھا۔

گویا آپؐ ہر ایک سے اس کی صلاحیت اور استعداد کے مطابق معاملہ فرماتے۔ لہٰذا سب کو ایک سانچے میں فٹ نہیں کیا جاسکتا بلکہ مختلف انسانوں کی مختلف سوچ، مزاج، صلاحیت اور استعداد

کی بنا پر الگ الگ معاملہ کیا جانا چاہیے۔ ایک ہی ڈنڈے سے سب کو ہانکنا خلافِ حکمت ہے۔

زندگی کی دائروں میں تقسیم

دین کی حنیفیت اور اس کے یسر ہونے میں ایک نہایت اہم بات ہے جو ہمیشہ نظروں کے سامنے رہنی چاہیے۔ وہ یہ کہ ہم بار بار یہ بات کہتے ہیں کہ اسلام ایک مکمل نظامِ حیات ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات اس بات کو ظاہر کرتی ہیں کہ دین کا کوئی گوشہ اسلام کے دائرے سے باہر نہیں۔ کھانا کھانا بھی ثواب تھا اور پانی پینا بھی۔ شعروشاعری بھی حج کے راستے میں ہوا کرتی تھی اور حج پر جاتے ہوئے پوری پوری رات شعر سنتے گزر جایا کرتی تھی۔ یہ خلفاے راشدین کا واقعہ ہے۔ یہاں تک کہ میاں بیوی کے تعلق کے بارے میں بھی آپؐ نے فرمایا کہ یہ بھی اجروثواب کا باعث ہے۔ گویا کوئی بھی چیز دین سے باہر نہیں۔ یہاں تک کہ آپؐ نے جب دو تہوار مقرر فرمائے تو آپؐ نے فرمایا: کھیل کود' کھانا پینا اور تفریح بھی دین میں شامل ہے۔

زندگی کو دو حصوں میں نہیں بانٹا جاسکتا کہ دین پر عمل کرنا ہو تو تحریک میں آؤ اور اگر باقی دنیوی کام کرنے ہوں تو تحریکی دائرے سے باہر جا کر کرو۔ کوئی تحریک اس طرح پورے کے پورے انسانوں کو لے کر نہیں چل سکتی۔ پھر اس کا حشر یہ ہوتا ہے کہ لوگ بٹ جاتے ہیں۔ ان کی زندگی کا ایک حصّہ تو اقربا' رشتہ داروں' شادی بیاہ کی مجلسوں اور دیگر گھریلو ذمہ داریوں کے لیے ہوتا ہے جہاں وہ دین کی ہدایت اور احکام کی خلاف ورزی بھی کرتے ہیں' جب کہ دوسرا دائرہ دعوت دین اور تنظیم اور اس کی سرگرمیوں پر مبنی ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہم دیکھتے ہیں کہ لوگ اپنی زندگی کے ایک دور میں' نوجوانی کے عالم میں' تحریک کے کارکن بن جاتے ہیں' ۲۴ گھنٹے اسی کام میں لگاتے ہیں۔ دوسری طرف جیسے ہی عملی زندگی کے دائرے میں داخل ہوتے ہیں تو اکثریت ٹوٹ پھوٹ اور انتشار کا شکار ہو جاتی ہے۔ پھر وہ پوری زندگی کو دین کے دائرے میں رہتے ہوئے نباہ نہیں پاتے اور دینی و دنیاوی تقسیم کا شکار ہو جاتے ہیں۔ میں محض کارکنوں کی بات نہیں کر رہا ہوں۔ یہ حقیقت ہے کہ ہم عام انسانوں کو ساتھ لیے بغیر انقلاب نہیں لا سکتے۔ جب بھی انقلاب لانا ہوگا تو عام انسانوں کی پوری زندگی کو دین کے ماتحت لانا ہوگا یہ دینی و دنیاوی تقسیم کو لازماً ختم کرنا ہوگا۔

تدریج اور اجتہاد

اللہ اور اس کے رسولؐ نے اس بات کو واضح فرما دیا ہے کہ دین میں کچھ چیزیں ہیں کہ جو فرائض کا درجہ رکھتی ہیں اور کچھ نوافل کا۔ دونوں کا مقام و مرتبہ ایک جیسا نہیں ہے۔ اس بات کو ایک حدیث میں بھی واضح کیا گیا ہے جو امام نوویؒ نے اربعین نووی میں درج کی ہے کہ کچھ چیزیں ہیں جو فرائض کے طور پر آئی ہیں' ان فرائض کو کبھی ضائع مت کرنا۔ کچھ چیزیں ہیں کہ اللہ نے ان کو حرام قرار دیا ہے' ان حرام چیزوں میں کبھی نہ پڑنا۔ اللہ نے کچھ حدود عائد کر دی ہیں' ان حدود سے باہر نہ نکلنا۔ ممکن ہے کہ حدود کی بات پوری طرح سمجھ میں نہ آئے۔ اس بات کو ایک مثال سے بآسانی سمجھا جاسکتا ہے۔ سڑک پر ٹریفک کے لیے لائن بنی ہوتی ہے۔ گاڑی کو اس لائن میں چلانا ہوتا ہے اور ٹریفک سگنل کی پابندی کرنا ہوتی ہے۔ اب کوئی تیز چلے یا آہستہ یا رُک جائے' اسے ٹریفک قوانین کی پابندی کرنا ہوتی ہے اور اس کی حدود میں رہتے ہوئے گاڑی چلانا ہوتی ہے۔

اسی طرح زندگی میں اسلام نے کچھ حدود مقرر کر دی ہیں' لہٰذا ان کی پابندی کرنا ہوگی۔ ایک بڑے دائرے میں اللہ تعالیٰ خاموش رہا ہے۔ حضورؐ نے فرمایا کہ یہ اس لیے نہیں ہے کہ اللہ سے کوئی غلطی ہوگئی' یا یہ کہ وہ بھول گیا ہے' بلکہ یہ تمھارے لیے باعثِ رحمت ہے۔ لہٰذا زندگی کے معاملات میں ترجیحات کا تعین کرنا ہوگا۔

اسلام کے پیغام سے پوری انسانیت کو روشناس کرانے کے لیے اور ایک عالمی انقلاب برپا کرنے کے لیے اجتہاد بھی ناگزیر ہے۔ سید مودودیؒ کے الفاظ میں: تہذیب و تمدن کے وہ معمار جن کے اندر اجتہاد کی یہ صلاحیت ہو کہ وہ ہر مسئلے کو اسلام کی روشنی میں حل کرسکیں' جو نت نئے مسائل کا حل اسلام کی روشنی میں ڈھونڈ سکیں' وہی دنیا کے امام بن سکیں گے۔ لہٰذا دورِ جدید میں جہاں تغیّر' تبدل کی رفتار اتنی تیز ہے وہاں اجتہاد بھی ناگزیر ہے۔

عالمی راے عامہ کی تشکیل

سید مودودیؒ نے ایک موقع پر فرمایا تھا اور روداد جماعت اسلامی حصہ اول میں ان کے یہ الفاظ موجود ہیں کہ کسی ایک ملک میں اسلامی انقلاب نہیں آسکتا جب تک کہ بین الاقوامی سطح پر

اسلام کے حق میں راے عامہ ہموار نہیں کی جاتی ہے۔ انھوں نے یہ بات اس وقت کہی تھی جب ڈش انٹینا اور ٹیلی ویژن نہیں تھا۔ جب جٹ ہوائی جہاز نہیں تھا اور پلک جھپکنے میں ایک خبر دنیا کے ایک کونے سے دوسرے کونے تک نہیں پہنچتی تھی۔ یہ اس وقت کوئی سوچ بھی نہیں سکتا تھا جب انھوں نے خداداد بصیرت کے تحت یہ فرمایا تھا: مستقبل کے چیلنج اور عالمی اسلامی انقلاب کے پیش نظر عالمی راے عامہ کی تشکیل کی اہمیت آج کل سے زیادہ ہے بلکہ ناگزیر ہے۔

خدا کی نصرت

آخری بات جو میں سمجھتا ہوں کہ ضروری ہے اور جو ہمیشہ یاد رکھنی چاہیے اور جس کے بغیر کوئی کام نہیں ہوسکتا' وہ ہے: لاحول ولا قوۃ الا باللّٰہ۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ ہمیں پوری کوشش کرنی ہے لیکن قوت صرف اللہ کے پاس ہے اور اس کی مدد کے بغیر کوئی معرکہ سر نہیں ہوسکتا۔ لوگوں کے دل اس کے ہاتھ میں اس طرح ہیں کہ جس طرح دو انگلیوں کے درمیان ہوں۔ وہ چاہے تو پلک جھپکنے میں لوگوں کے دل پلٹ سکتا ہے۔ لیکن ہمیں اپنے حصے کی پوری محنت کرنا ہے۔

> فَلَمْ تَقْتُلُوْهُمْ وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ قَتَلَهُمْ ۪ وَ مَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى ۚ (الانفال ۸:۱۷) پس حقیقت یہ ہے کہ تم نے انھیں قتل نہیں کیا بلکہ اللہ نے ان کو قتل کیا اور اے نبیؐ، تو نے نہیں پھینکا بلکہ اللہ نے پھینکا۔

درحقیقت کام کرنے والی ذات وہی ہے' ہم تو صرف بہانہ ہیں۔ لیکن اس بہانے کو اپنی پوری قربانی' جدوجہد' اجتہاد' جہاد' وسعتِ نظر' وسعتِ قلب اور اس شعور اور ادراک سے کرنا ہے کہ یہ ہمارا خواب ہے اور اس خواب کی تعبیر ہم ہیں۔ اگر عرب کے بدو اور چرواہے دنیا کے امام بن سکتے ہیں تو کوئی وجہ نہیں ہے کہ آج ہزاروں لاکھوں لوگ جو اسلام کی پکار پر جمع ہو چکے ہیں وہ دنیا کے امام نہ بن سکیں۔ یہ دروازہ کھلا ہوا ہے اور منتظر ہے کہ کب ہم اس میں داخل ہوں۔ میری نظر میں یہ وہ صفات ہیں جن کے بغیر اس عظیم الشان چیلنج کا جواب نہیں دیا جاسکتا جو آج ہمارے دروازے پر دستک دے رہا ہے۔ (کیسٹ سے تدوین: امجد عباسی)

اسلام کی غلط تعبیر

شعیب ادریس

زیرِنظر مضمون ایک مسلم امریکی این جی او آزاد مسلم کولیشن (Free Muslim Coalition) کی ویب سائٹ سے لیا گیا ہے۔ یہ این جی او امریکی امداد سے چل رہی ہے اور اسلامی تعبیرات کی امریکی تشریح کرنے میں خاصی مستعد ہے۔ اس کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ کس طرح اسلام کا لبادہ اوڑھ کر اسلام کی غلط تعبیرات پھیلائی جارہی ہیں۔ یہ احساس بھی ہوتا ہے کہ میڈیا کے شعبے میں جو ترقی مغرب نے کی ہے' بدقسمتی سے وہ مسلم ممالک میں نظر نہیں آتی۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام کے خلاف پروپیگنڈا عروج پر ہے۔ آج کے عالمی گاؤں میں اسلام کی اصل تعلیمات سے روشناس کرانے کے لیے میڈیا اہم کردار ادا کرسکتا ہے۔ ذیل میں اس مضمون سے ماخوز ترجمہ پیش کیا جارہا ہے۔

آج کل پوری مسلم دنیا، خصوصاً عرب ممالک میں جمہوریت کے فروغ کے بارے میں بہت سی باتیں کی جارہی ہیں۔ امریکا اور مشرق وسطیٰ میں موجود بعض مقامی گروپ بھی اس کام میں شامل ہیں۔ نائن الیون کے سانحے کے بعد اس مثبت تحریک کو مزید تقویت ملی ہے۔ جمہوریت کے فروغ کے حق میں جو بات سب سے زیادہ پیش کی جاتی ہے وہ یہ ہے کہ عرب ممالک کے عوام کا حکومت میں مؤثر کردار ہی دہشت گردی کے خاتمے میں مددگار ثابت ہوسکتا ہے۔

آزاد مسلم کولیشن' مشرق وسطیٰ میں جمہوریت کے فروغ کی پُرزور حمایت کرتی ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ اس بات سے بھی خبردار کرتی ہے کہ اگر مشرق وسطیٰ میں جمہوریت کے فروغ

سے پہلے سیکولرزم کو فروغ نہ دیا گیا اور دہشت گردی کا خاتمہ نہ کیا گیا تو اس کا نتیجہ بنیاد پرست اسلامی ریاستوں کے قیام کی صورت میں بھی نکل سکتا ہے۔ یہ اسلامی ریاستیں بالآخر جمہوریت کی قاتل ثابت ہوں گی۔

اس ضمن میں الجیریا کی مثال ہمارے سامنے ہے۔ الجیریا میں، جو کہ ایک سیکولر ملک ہے، ۱۹۹۲ء میں جمہوری پارلیمانی انتخابات ہوئے۔ وہاں کے عوام نے اسلامی بنیاد پرستوں کو حکومت کے لیے منتخب کیا۔ باقاعدہ حکومت کے قیام سے قبل ہی چند نئے منتخب نمایندوں نے اعلان کر دیا کہ یہ جمہوریت (جس کے بل بوتے پر وہ اسمبلی تک پہنچے تھے) اسلام سے متصادم ہے اور جوں ہی باقاعدہ حکومت کا قیام عمل میں آئے گا، وہ اس جمہوری نظام کو جڑوں سے اکھاڑ پھینکیں گے۔ اس نئے واضح انتہا پسندانہ موقف کی وجہ سے پارلیمنٹ کو تحلیل کر دیا گیا اور ملک مارشل لا کی نذر ہو کر مستقل خانہ جنگی کی لپیٹ میں آ گیا۔

مشرق وسطیٰ میں انتہا پسند اسلامی ایجنڈے کے ہاتھوں ایک سیکولر ملک کے یرغمال بنائے جانے کی یہ کوئی پہلی مثال نہیں ہے۔ ۱۹۷۹ء میں ایران کے اسلامی انقلاب کے بعد بہت سے عربوں نے اسلامی ریاستوں کے قیام پر توجہ مرکوز کی ہے۔ اس کی بنیاد بہت سے مسلمانوں میں پایا جانے والا یہ نظریہ ہے کہ ان کے ممالک کا استحکام، اسلامی ریاستوں کے قیام میں ہی پوشیدہ ہے۔ ان کی نظر میں صرف اسلام ہی انھیں شخصی حکومتوں سے نجات دلا سکتا ہے۔ اس کی واضح مثال عراق ہے جہاں سیکولر اقتدار کے خاتمے کے بعد مذہبی جنونیوں کی طرف سے ایک منظم تحریک کا آغاز کیا گیا تاکہ سیکولر جمہوریت کے بجائے مذہبی حکومت قائم کی جا سکے۔

بدقسمتی سے انتہا پسند مسلمان نہایت کامیابی سے سیکولرزم کی ناکامی کا پروپیگنڈا کرتے ہیں۔ درحقیقت انتہا پسند مسلمانوں کی طرف سے پھیلایا جانے والا یہ گمراہ کن نظریہ کہ مسلمان مکمل طور پر مذہبی نہیں ہیں اور یہ کہ مسلم دنیا کے تمام مسائل کا حل سخت ترین اسلامی قوانین کی طرف لوٹنے میں ہے، جداگانہ اسلامی ریاستوں کے قیام سے زیادہ خطرناک ہے۔

اسلامی ریاستوں کے قیام کے حامیوں کا کہنا ہے کہ ''ہم سرمایہ دارانہ نظام کو دیکھ چکے، ہم نے کمیونزم اور سوشل ازم کو بھی آزما لیا اور یہ تمام نظام ہاے زندگی ناکام ہو گئے، اس لیے اب ہم

اسلام کو آزمائیں گے''۔

یہ نظریہ سرے سے غلط ہے۔ اسلام ایک ترقی یافتہ ریاست کا خاکہ نہیں ہے بلکہ صرف ایک مذہب ہے۔ قرآن میں ایک مکمل ریاست کے قیام کے باب میں مکمل رہنمائی موجود نہیں ہے۔ جتنی بھی موجود سلطنتیں اسلامی انتہاپسندوں کی قائم کردہ ہیں، وہ سب فاشسٹ نظریات کی حامل، قدامت پسند اور جمہوری خصوصیات کے فقدان کا شکار ہیں۔

جمہوریت سے مراد عوام کی حکومت ہے، یعنی ایک ایسا نظام جہاں حکمرانوں کو منتخب کیا جائے اور وہ منتخب جمہوری اداروں کے سامنے جواب دہ ہوں۔ اگر آج عرب ممالک میں آزادانہ اور منصفانہ انتخابات کرائے جائیں تو عوام لازمی طور پر متعصب اسلامی انتہاپسندوں کو منتخب کریں گے۔ ان انتہاپسندوں کا اقتدار میں آنا جمہوریت اور سیکولرزم کی موت ہوگی۔ ہمیں عرب اور اسلامی معاشروں میں جمہوریت کی روح پھونکنے سے پہلے وہاں سے انتہاپسندوں اور دہشت گردوں کا خاتمہ کرنا ہوگا۔

کولیشن اس بات کی حمایت تو کرتی ہے کہ عوام کو حکومت کرنے کا حق ہونا چاہیے، مگر ساتھ ساتھ اس بات پر بھی زور دیتی ہے کہ حکومت کے نظام کی مضبوطی کے لیے اسے سیکولر جمہوریت کے تحت ہونا چاہیے تاکہ عوام کو جنس، نسل اور مذہب کے امتیاز کے بغیر تمام حقوق مہیا کیے جاسکیں۔ اسی سیکولر ماحول کو پروان چڑھانے کے لیے کولیشن میڈیا کے ذریعے، تعلیمی اداروں کے اندر اور سیاسی ایوانوں میں اس حوالے سے نئی بحثیں چھیڑ رہی ہے، تاکہ حکومتی ایوانوں میں خصوصاً مشرق وسطیٰ اور شمالی افریقہ میں، سیکولرزم کی اہمیت کو واضح کیا جاسکے۔

یہ این جی او اس بات پر زور دیتی ہے کہ مسلمانوں کو سیکولرزم کے فوائد سے آگاہ کیا جائے اور بتایا جائے کہ اگر ان کی حکومتیں انھیں امن اور خوش حالی دینے میں ناکام رہی ہیں تو اس کی وجہ ان حکومتوں کا سیکولر ہونا نہیں تھا۔ کولیشن اس بات پر بھی مکمل یقین رکھتی ہے کہ جب تک دہشت گردی کو شکست نہیں دی جاتی اور اسلامی انتہاپسندی کا خاتمہ نہیں کیا جاتا، تب تک جمہوریت کا عمل بھی کامیاب نہیں ہوسکتا۔

رسائل و مسائل

چند منفی عائلی رویے

سوال: میرے شوہر ایک سخت مزاج اور تنہائی پسند انسان ہیں۔ انھیں میرا خواتین سے زیادہ ملنا جلنا بھی پسند نہیں۔ ہم لوگ دیارِ غیر میں ہیں جہاں انسان ویسے ہی تنہائی اور ڈپریشن کا شکار رہتا ہے۔ میرے چار بچے ہیں‘ تین لڑکیاں اور ایک لڑکا۔ جب سب سے چھوٹی بیٹی اسکول جانے لگی تو تنہائی کی وجہ سے مجھے زیادہ ہی ڈپریشن ہونے لگا۔ تنہائی اور دیگر وجوہ کے علاوہ ایک وجہ دوسرے لڑکے کی خواہش بھی تھی۔ میں نے اپنے شوہر سے بچے کی خواہش کا ذکر کیا تو انھوں نے سختی سے ڈانٹ دیا۔ میں احتیاطی تدابیر اختیار کرتی تھی جو میں نے اپنے شوہر کو بتائے بغیر چھوڑ دیں اور نتیجے میں ہمارے ہاں ایک اور بیٹی پیدا ہوگئی۔ اس بیٹی کی پیدایش کو دو سال ہونے کو ہیں‘ لیکن میرے شوہر نے میری زندگی عذاب بنا رکھی ہے کہ تم نے مجھے دھوکا دیا ہے‘ تم گناہ گار ہو۔ اب تو مجھے بھی لگتا ہے کہ جیسے میں گناہ گار ہوں۔ میرا علم بہت محدود ہے۔ آپ قرآن و سنت کی روشنی میں میری رہنمائی فرمائیں‘ کیا میں نے ایسا کر کے واقعی کوئی گناہ کیا ہے؟ اگر لڑکا ہو جاتا تو شوہر کا مزاج اتنا نہ بگڑتا لیکن یہ میرے اختیار میں نہیں تھا۔ میرے شوہر پانچ وقت کے نمازی اور بہت پرہیزگار انسان ہیں لیکن اس بات کو سننا بھی پسند نہیں کرتے کہ بیٹیاں دوزخ کی آگ سے ماں باپ کے لیے ڈھال ہوں گی۔ ہر وقت مجھے طعنے دیتے ہیں کہ کسی کتاب میں نہیں لکھا کہ زیادہ بچے پیدا کر کے تم جنت کے زیادہ قریب ہوگئی ہو۔ وہ ایسی کوئی نصیحت یا قرآن کی بات جو ان کے اپنے مفادات کو

متاثر کرے، سننا پسند نہیں کرتے۔ بعض اوقات میں سوچتی ہوں، یہ کیسی نمازیں ہیں جو ایک آدمی کو انسان اور سچّا مسلمان نہیں بنا سکتیں۔

بسا اوقات خودکشی کا خیال آتا ہے۔ تنگ دستی کے علاوہ بھی بہت سے مسائل انسان کو مرنے پر مجبور کر دیتے ہیں۔ خاص طور پر شوہر اور سسرال والوں کے رویے ہمارے معاشرے میں ایک عورت کی زندگی اجیرن کرنے کے لیے کافی ہوتے ہیں۔ کیا کسی بھی قسم کے حالات میں خودکشی کی کوئی صورت نکلتی ہے؟ اگر آپ صبر کی تلقین کریں گے تو کیا اس کی بھی کوئی حد ہے، جب کہ میں اپنی ساس کو ۷۰ سال کی عمر میں بھی اپنے سسر کے ہاتھوں ذلیل ہوتے دیکھتی ہوں۔ اب کوئی کہاں تک صبر کرے؟

جواب: آپ کے سوالات ہمارے معاشرے میں پائے جانے والے بعض ایسے نازک پہلوؤں سے تعلّق رکھتے ہیں جو بظاہر اسلام کی دعوتِ انقلاب میں مرکزی اہمیت کے حامل ہیں۔ پہلے سوال کا تعلّق ہمارے معاشرتی رویوں کے ساتھ ہے اور بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ اچھے خاصے دین دار مرد بھی اپنی نمازوں، نفلی روزوں اور قیام اللیل کے باوجود اپنی بیوی اور خاص طور پر بیٹیوں کے حوالے سے منفی اور خلافِ شریعت رویوں کا شکار ہیں۔ قرآن کی دعوت رویوں کو تبدیل کرنے کی دعوت ہے کہ انسان کا رویہ اپنے خاندان کے ساتھ کیا ہو اور وہ اللہ کی بندگی کے دعوے کو کس طرح اپنے طرزِ عمل سے ثابت کرے۔

خاندان میں بچیوں کی پیدایش پر ہونے والا ردعمل آج سے نہیں قبل اسلام ہی سے ایک معاشرتی مسئلہ رہا ہے۔ قرآن کریم نے انتہائی جامع اور بلیغ انداز میں یہ سوال اٹھایا ہے کہ ''جب سورج لپیٹ دیا جائے گا اور جب تارے بکھر جائیں گے اور جب پہاڑ چلائے جائیں گے...... اور جب زندہ گاڑی ہوئی لڑکی سے پوچھا جائے گا کہ وہ کس قصور میں ماری گئی؟'' (التکویر ۸۱:۱-۹)۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ حضرت آدمؑ کی بیٹی پر جو ظلم قبل از اسلام ہوتا رہا اور جس کی پشت پر مرد کا خودساختہ بڑائی، اَنا اور صنفِ نازک کو اپنے سے کم تر سمجھنے کا تصور تھا، اس باطل فکر کو ختم کر کے انسانوں کو صحتِ فکری کے ساتھ نیا اندازِ فکر دیا جاسکے۔ قرآن کریم نے سورۂ نساء کے آغاز میں انسان کے خودساختہ تصوراتِ برتری جنس کو رد کرتے ہوئے یہ اصول بیان فرما دیا کہ اللہ تعالیٰ نے

مرد اور عورت کو ایک نفس سے پیدا کیا ہے' اس لیے ترکیبی طور پر مرد اپنی برتری اور عورت کی کم تری کا دعویٰ نہیں کرسکتا۔

پھر ایک قدم آگے جا کر یہ اصول بھی سمجھا دیا کہ فوقیت اور برتری کی بنیاد کیا ہوگی: محض جنسی فرق یا تقویٰ اور عملِ صالح؟ ساتھ ہی یہ بات بھی تعلیم فرما دی کہ شوہر بیوی سے اپنا حق مانگتے ہوئے اللہ کا تقویٰ اختیار کرے' اللہ کا باغی بن کر اور اس کی ہدایات کی من مانی تاویل کر کے آمر اور جابر نہ بن جائے بلکہ اپنے جائز حقِ زوجیت کو بھی اللہ کے خوف اور رضا کی بنیاد پر مانگے۔ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِیْ تَسَآءَ لُوْنَ بِهٖ وَ الْاَرْحَامَ (النساء ۴:۱) ''اس خدا سے ڈرو جس کا واسطہ دے کر تم ایک دوسرے سے اپنا حق مانگتے ہو' اور رشتہ و قرابت کے تعلقات کو بگاڑنے سے پرہیز کرو''۔

یہ اسلام کا انقلابی کارنامہ تھا کہ اس نے اجتماعیت اور خاندانی زندگی کو عبادت کا درجہ دیا' جب کہ غیر اسلامی ذہن کل بھی اور آج بھی عبادات سے مراد ذاتی روحانی اعمال لیتا رہا ہے اور عائلی اور معاشرتی معاملات کو اپنے رواج اور روایات کی بنا پر طے کرتا رہا ہے۔ اگر کسی خاندان میں عورت کو گھر کی خادمہ اور شوہر کے پاؤں کی جوتی سمجھنے کی روایت رہی ہے' تو نماز' روزہ' زکوٰۃ اور حج کے باوجود' اسلام اس طرزِ عمل سے بالکل بری ہے۔

آپ کو اس بات پر اللہ کا شکر ادا کرنا چاہیے کہ اس نے آپ کو اور آپ کے شوہر کو ایک سے زائد بچیاں دیں۔ اگر ان کی صحیح تربیت کی جائے تو خاتم النبیین' صادق الامین علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ارشاد کے مطابق اس کا اجر جنت کا وعدہ ہے۔ یہ کوئی طفل تسلی نہیں' یہ اُس ہستی کا فرمان ہے جس کے لیے قرآن کریم یہ فرماتا ہے کہ مَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ (النساء ۴:۸۰) ''جس نے رسولؐ کی اطاعت کی' اس نے دراصل خدا کی اطاعت کی''۔

شریعت کے مقاصد میں سے ایک اہم مقصد تحفظِ نسل ہے اور سورۂ نساء کی پہلی آیت میں جس کا حوالہ اوپر دیا گیا ہے' یہ بات بھی فرمائی گئی ہے کہ ''اس اللہ کا تقویٰ اختیار کرو جس نے ایک مرد اور عورت سے بہت سے افراد کو زمین پر پھیلا دیا''۔ گویا ازواج کا ایک مقصد اولاد میں برکت ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ ایسی عورت سے شادی کی جائے جو نیکی میں دوسروں سے بڑھ کر ہو اور جو زیادہ اولاد کا ذریعہ بنے۔ اس لیے آپ کی خواہش کہ ایک سے زائد

بچے ہوں، ایک جائز خواہش کے ساتھ ساتھ سنت پر عمل کی بنا پر ان شاء اللہ اعلیٰ اجر کا باعث بھی ہوگی۔ اب یہ فیصلہ آپ خود کرلیں کہ جس کام پر اللہ کے رسولؐ خوش ہوں، اس کا کرنا اچھا ہے یا شوہر کی ایک ایسی خواہش پوری کرنا جس سے اللہ کے رسولؐ کی خواہش ٹکراتی ہو۔

شوہر کی اطاعت ہو یا والدین کی اطاعت، دونوں کے لیے شارع اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کا دیا ہوا اصول یہ ہے کہ اللہ کی معصیت میں کسی مخلوق کی اطاعت نہیں ہوگی (لا طاعة لمخلوق فی معصية الخالق)۔ اس لیے آپ کا زیادہ اولاد کی خواہش کرنا شوہر کی نافرمانی میں شمار نہیں کیا جاسکتا، نہ اسے دھوکے سے حمل ٹھیرا لینا کہا جاسکتا ہے۔ قرآن و سنت نے شوہر اور بیوی کے تعلق کو سکون، لذت اور حصولِ اولادِ صالح، تینوں کے مجموعی عمل سے تعبیر کیا ہے۔ یہ رشتۂ زوجیت کے عناصر ترکیبی ہیں اور شوہر اور بیوی کے ایک دوسرے پر حقوق میں شامل ہیں۔ جو چیز حقوق میں شامل ہو، اس کا کرنا مقبول، اور نہ کرنا مردود ہوتا ہے۔ اس لیے آپ کے شوہر کو، اگر ان کے دل میں خدا کا خوف ہے، خدا کے حضور اپنے انجام سے ڈرنا چاہیے۔

آپ کا یہ خیال بالکل درست ہے کہ ایک کے مقابلے میں تین بچیوں اور ایک بچے کے والدین کی حیثیت سے آپ اور آپ کے شوہر دونوں جنت کے زیادہ مستحق ہوگئے ہیں، کیونکہ نبی کریمؐ نے دو یا تین بچیوں کی صحیح اسلامی تربیت کرنے پر ایسے والدین کے لیے جنت کی بشارت دی ہے، اور ہمارا ایمان ہے کہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر ارشاد حق و صداقت پر مبنی ہے۔

دین سے دُور اور قرآن و سنت سے براہ راست وابستہ نہ ہونے کا ایک بڑا نقصان یہ ہوا ہے کہ ہمارے معاشرے میں عبادت کا ایک بہت محدود تصور رواج پا گیا ہے جس میں صرف نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج کو کُل عبادات سمجھ لیا گیا ہے۔ بلاشبہہ بندوں کا اللہ پر حق یہی ہے کہ اس کی عبادت اس کے بتائے ہوئے طریقے سے کی جائے لیکن وہ خود یہ فرماتا ہے کہ بندوں کا حق ادا کرنا بھی عبادت ہے، بلکہ بعض اوقات معروف عبادات سے زیادہ اجر کا باعث ہے۔ حقوق العباد میں والدین، بیوی، بچے، رشتے دار، پڑوسی، حتیٰ کہ اجنبی بھی شامل ہیں۔ بعض بظاہر مادی کام، مثلاً ایک شخص کا اکل حلال حاصل کرنا، اپنی منکوحہ سے اپنی ضرورت پورا کرنا بھی عبادت کا حصّہ ہے، اور اللہ تعالیٰ کی بندگی اور رسولؐ کی اطاعت کا مظہر ہے۔

اسی بنا پر شیطان کا سب سے زیادہ مہلک وار حقوق کے معاملے ہی میں ہوتا ہے۔ وہ خصوصی طور پر شوہر اور بیوی کے درمیان تفرقہ ڈالنے اور ایک دوسرے کے حقوق کی ادایگی میں ٹانگ اڑا کر خوش ہوتا ہے۔ اسلام نے جتنا حق اولاد کی پیدایش کے بارے میں شوہر کو دیا ہے' اتنا ہی بیوی کو دیا ہے' حتیٰ کہ ایک حدیث میں یہ بات فرمائی گئی ہے کہ اگر شوہر اپنا مادہ بیوی کے جسم سے باہر خارج کرنا چاہتا ہو تو بیوی کی اجازت سے ایسا کرے۔ گویا یہ بیوی کا حق ہے' یہ محض شوہر کی مرضی کی بات نہیں ہے۔

یہ بات بھی پیش نظر رہے کہ اسلام عقدِ نکاح اور شادی کے بعد شوہر اور بیوی کو ایک اکائی میں پیوستہ خاندان سمجھتا ہے۔ اب وہ محض دو افراد نہیں ہیں بلکہ ایک متحد خاندان ہیں۔ اس لیے مقابلہ انفرادی حقوق میں نہیں ہوتا بلکہ اب خاندان کے حقوق کے پیش نظر ایک دوسرے کے ساتھ ایثار و قربانی' محبت و احترام اور لطف و عنایت کے ساتھ معاملات کیے جاتے ہیں۔ حقوق العباد سے نظری واقفیت اگر رویے اور طرزِ عمل میں تبدیلی پیدا نہ کرے تو ہمیں اپنے ایمان کا جائزہ لیتے ہوئے احتسابِ نفس اور استغفار کے ساتھ شعوری طور پر اپنے طرزِ عمل کی اصلاح کی فکر کرنا چاہیے۔

آپ کا دوسرا سوال پہلے سوال ہی کا نتیجہ ہے۔ اولاً، اگر آپ کے سسر صاحب آپ کی معمر ساس کے ساتھ سختی کا رویہ اختیار کرتے ہیں تو ان کا یہ عمل قرآن و سنت کے منافی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ جو اپنے اہلِ خانہ سے محبت و احترام سے پیش آتا ہے وہ اعلیٰ کردار کا انسان ہے' اور پھر فرمایا کہ میں اپنے اہلِ خانہ کے ساتھ سب سے زیادہ شفقت کرتا ہوں۔

خودکشی کا تعلق تین امور کے ساتھ ہے' اولاً: ایک شخص کا اللہ تعالیٰ کی قدرت اور قوت کا انکار کرتے ہوئے یہ سمجھنا کہ معاملے کا حل اس کے اپنے ہاتھ میں ہے' اور چونکہ وہ اپنی حد تک حصولِ مقصد میں ناکام ہو چکا ہے اس لیے مایوسی کی بنا پر خود کو ختم کر سکتا ہے۔ ثانیاً: ایک شخص کا یہ سمجھنا کہ اس کی جان اس کی اپنی پیدا کردہ ہے' وہ اس کا مالک ہے۔ اس کا جسم اس کی ملکیت ہے' وہ اسے جب چاہے کسی کے حوالے کر دے یا خود ختم کر دے۔ ثالثاً: اس کا یہ سمجھنا کہ اس کے ساتھ جو معاملہ درپیش آیا ہے وہ اتنا سنگین ہے کہ اس سے زیادہ اور کوئی سنگینی نہیں ہو سکتی اور یہ شدتِ احساس اسے اپنی جان کو ضائع کرنے کا حق دیتی ہے۔ اگر عقلی طور پر دیکھا جائے تو یہ تینوں بنیادیں غلط اور باطل

ہیں۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی قدرت ایک سکتے میں آئے ہوئے شخص ہی کو نہیں بلکہ اگر وہ چاہے تو ایک مُردے کو بھی زندہ کرسکتی ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے تذکرے میں قرآن کریم اس کی شہادت فراہم کرتا ہے۔ اس بنا پر قرآن وسنت خودکشی کو حرام قرار دیتے ہیں۔ کسی بھی جان کا اِلا بالحق ضائع کرنا قرآن وسنت کی رو سے حرام ہے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کا تذکرہ ہمیں بتاتا ہے کہ شدید ترین تکلیف میں بھی صبر جمیل ہی اسلام ہے۔

اگر کسی کو اس دنیا میں تکالیف اور ہر قدم پر طعن وتشنیع کا سامنا کرنا پڑتا ہے تو ہر ہر تکلیف کے بدلے میں اللہ نے اپنے بندے سے ۱۰ سے ۷۰ گنا زیادہ اجر کا وعدہ ہمیشہ ہمیشہ کی زندگی میں کیا ہے۔ لیکن اس سے زیادہ قابلِ غور بات ہمارے معاشرے میں بظاہر دین دار شوہروں کا غیر اسلامی رویہ ہے جس میں وہ اسلام کے نام پر بیویوں کو اپنی ذاتی خواہشات کی تکمیل پر مجبور کرتے ہیں۔

یہ خواتین کے اسلامی حقوق کی کھلی پامالی ہے۔ یہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کی خلاف ورزی ہے۔ یہ قرآن کے دیے ہوئے صالح نظام خاندان و معاشرے سے بغاوت ہے۔ ہم ہمیشہ خواتین کو صبر کی تلقین کرتے ہیں لیکن ضرورت اس بات کی ہے کہ مرد اپنے رویے اور طرزِ عمل کو قرآن وسنت کے علم کی بنا پر محض سنی سنائی کہانیوں کی بنا پر نہیں، درست کریں اور بیویوں کے حقوق کی پامالی سے بچ کر اپنے آپ کو آخرت کی سخت جواب دہی سے بچائیں۔ عائلی معاملات میں مردوں کی تعلیم خواتین کو نصیحت سے کم اہم نہیں ہے جسے ہم نے مکمل طور پر فراموش کر رکھا ہے۔

اللہ تعالیٰ آپ کے شوہر کو توفیق دے کہ وہ اپنی زیادتی پر شرمندہ ہو کر اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کریں اور اللہ کے رسولؐ کی سنت پر عمل کرتے ہوئے اپنی بیوی اور بیٹیوں کو وہ مقامِ احترام دیں جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا عملِ مبارک تھا۔ (ڈاکٹر انیس احمد)

اجتماعی شب بیداری یا بدعت: ایک وضاحت

س: 'رسائل و مسائل' (اگست ۲۰۰۷ء) میں اجتماعی شب بیداری کو بدعت بلکہ مکروہ کا درجہ دیا گیا ہے۔ اس کی علّت یہ بیان کی گئی ہے کہ کسی بھی عبادت کو جو انفرادی طور پر مطلوب ہو، ازخود بلادلیل اجتماعی شکل دینا اور قرین ثواب سمجھنا بدعت ہے، لیکن ایسی

بدعت جو عبادت کی انفرادی شکل کو اجتماعی شکل دے مکروہ کا درجہ رکھتی ہے۔ لہٰذا اجتماعی شب بیداری مکروہ شمار ہوگی۔ اجتماعی شب بیداری جس میں فہم قرآن، سماعت قرآن اور درس قرآن و حدیث ہوتا ہے، کسی بھی طرح انفرادی طور پر نہیں کی جاسکتی۔ پھر مولانا نے اپنی علّت کی کوئی سند بھی تحریر نہیں فرمائی۔

اجتماعی شب بیداری تعلیم و تربیت کا ایک اہم ذریعہ ہے جسے عصرِ حاضر کی اسلامی تحریکوں نے اپنا کر ہزاروں افراد کی زندگیوں میں انقلاب برپا کیا ہے۔ میرے خیال میں کسی ایسی رائے سے اجتناب کیا جائے جو دعوت کی راہ میں رکاوٹ بن جائے۔ ہمیں ان تمام اقدامات کی حمایت کرنا چاہیے جن سے خیر کا پہلو نکلتا ہو، جو دعوت کے فروغ کا باعث بنیں۔ رات بھر کیبلز دیکھنے کے بجاے اگر اجتماعی طور پر کسی سورہ کا ترجمہ پڑھ لیا جائے تو اس سے بدعت کا پہلو نہیں نکلتا۔ اگر اجتماعی تہجد میں کوئی ممانعت نہیں ہے اور قبروں پر جانا اسوۂ رسولؐ ہے تو درس قرآن و حدیث کو بدعت یا مکروہ قرار دینا کسی طور پر بھی موزوں نہیں ہے۔ اگر بیان شدہ علّت کو درست تسلیم کرلیا جائے تو اسلامی تحریکوں کے دعوت و تبلیغ کے تمام طریقے مکروہ و بدعت قرار پائیں گے۔

ج: اسلامی تحریک کی اجتماعی شب بیداری تعلیم و تربیت کی نوعیت رکھتی ہے اور تعلیم و تربیت کے لیے اجتماع کی تاریخ مقرر کرنا اور اس کو پروگرام کے مطابق عملی جامہ پہنانا نہ صرف جائز بلکہ مطلوب ہے۔ اس کے متعلق سوال نہیں کیا گیا تھا اور نہ اس کا جواب دیا گیا ہے۔ سوال قبرستان میں ایک مخصوص رات کو جانے اور قبروں سے لپٹ کر رونے اور اس اجتماعی عمل کو ثواب سمجھنے کے متعلق ہے۔ اگر اسے ثواب نہ سمجھا جائے، انفرادی عبادت اور اجتماعی کو یکساں سمجھا جائے، اور کوئی مکروہ اعمال بھی نہ کیے جائیں تو اس پر کوئی اعتراض نہیں کیا گیا ہے۔

آپ نے جس صورت کا سوال میں ذکر کیا ہے اور اسلامی تحریک کی جو شب بیداریاں ہیں وہ انتظامی اور تربیتی نوعیت کی ہیں۔ ان کو دینی ضرورت سمجھا جاتا ہے، اور اسی لیے وہ بدعت نہیں ہیں۔ لوگوں کی تعلیم و تربیت کا انتظام مسلمانوں کی صواب دید پر ہے۔ اس کے لیے اگر وہ کوئی انتظام کریں تو وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے دی گئی آزادی اور اختیار کو استعمال کرتے ہیں۔ لیکن مختلف جائز

صورتوں کو جن کو شریعت نے اجتماعی شکل نہیں دی، اپنی طرف سے ان کو ثواب کی بنیاد پر اجتماعی شکل دینا بدعت ہے۔ تراویح کی جماعت شریعت کی روشنی میں کی گئی ہے۔ تہجد کی جماعت اتفاقاً اگر ہو جائے تو قباحت نہیں لیکن اس کا پروگرام بنا کر اس کی طرف لوگوں کو دعوت دینا، اور اسے انفرادی عبادت سے زیادہ باعثِ ثواب سمجھنا درست نہیں ہے۔ اُمت میں اجتماعی تراویح تو ہے مگر اجتماعی تہجد نہیں ہے۔ جواب کی یہ عبارت بالکل واضح ہے: ''کسی بھی عبادت کو جو انفرادی طور پر مطلوب ہو ازخود بلا دلیل اجتماعی شکل دینا اور اسے ثواب سمجھنا بدعت ہے''۔

آپ نے اسلامی تحریک کی جن اجتماعی شب بیداریوں کا ذکر کیا ہے، ان کے متعلق یہ بات نہیں سمجھی جاتی کہ وہ انفرادی طور پر مطلوب ہیں اور ان کو عبادت کا درجہ بھی نہیں دیا جاتا بلکہ تعلیم و تربیت کا وسیلہ قرار دیا جاتا ہے۔ وہ ازخود بلا دلیل نہیں ہیں بلکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم و تربیت کی محفلیں ان کی دلیل ہیں، اور اجتماعی پروگرام کو ثواب کا درجہ نہیں دیا جاتا کہ اس طرح کریں تو ثواب ہے اور کسی دوسری رات کو کسی اور طرح کریں تو اس میں ثواب نہیں ہے۔

اس طرح تربیتی پروگرام کے بعد اتفاقاً قبرستان میں جانا درست ہے۔ مگر یہ نہ سمجھا جائے کہ اس طرح اجتماعی شکل میں جانا مغفرت اور ثواب کا باعث ہے اور انفرادی شکل میں جانے کا ثواب کم ہے۔ ثواب کی کمی زیادتی کے لیے قرآن و حدیث سے دلیل چاہیے جو ہمیں نہیں ملتی۔ اگر ضعیف حدیث ہوتی تب بھی فرق کیا جا سکتا تھا، لیکن یہاں اجتماعی زیارتِ قبور کے بارے میں ضعیف حدیث بھی نہیں ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کبھی صحابہؓ کو اہتمام کے ساتھ اجتماعی طور پر لے کر زیارتِ قبور کے لیے نہیں گئے۔ پس اتفاقاً کوئی اعتراض نہیں، البتہ اجتماعی شکل کو ثواب کا درجہ دے کر اس کا اہتمام کرنا مناسب نہیں ہے۔ امید ہے کہ آپ جواب کا دوبارہ مطالعہ کریں گے تو آپ پر بات واضح ہو جائے گی۔ یہ بات میں نے اپنی رائے کی بنیاد پر نہیں، فقہا کے طے شدہ اصولوں کی روشنی میں لکھی ہے، اور اجتماعی شکل کے بارے میں جو انتہاپسندانہ رائے ہے اس کی بھی تردید کی ہے۔ البتہ مکروہ کے ساتھ تنزیہی کا لفظ رہ گیا ہے جو خلافِ اولیٰ کے قریب کی نامناسب صورت کو کہا جاتا ہے، اس کا اضافہ کر لیا جائے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو صحیح بات کو سمجھنے اور اس کے مطابق عمل کرنے کی توفیق سے نوازے۔ (مولانا عبدالمالک)

کتاب نما

برصغیر ہند میں اشاعتِ اسلام کی تاریخ، مفتی محمد مشتاق تجاروی۔ ناشر: مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز، دہلی، بھارت۔ صفحات: ۱۶۴۔ قیمت: ۷۵ بھارتی روپے۔

ہندستان میں اشاعت اسلام کی تاریخ ایک جامع اور وسیع موضوع ہے۔ اس موضوع پر اگرچہ بہت سی مفصل کتب موجود ہیں لیکن ایسی کتاب کی جو مستند مراجع کے ساتھ یک جا اور قابلِ اعتماد تفصیل فراہم کرسکے کمی تھی۔ مفتی محمد مشتاق تجاروی کی یہ کتاب اسی مقصد کے حصول کی جانب ایک مستحسن کاوش ہے۔

ہندستان میں اشاعتِ اسلام کا جائزہ لیا جائے تو یہ بات واضح طور پر محسوس کی جاسکتی ہے کہ یہ درحقیقت انفرادی کاوشوں کا ثمرہ ہے (ان میں بھی صوفیہ کا کردار نمایاں ہے) اور قبولِ اسلام بھی زیادہ تر انفرادی سطح پر ہوا ہے۔ ان کاوشوں کو چار گروہوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے: صوفیہ، علما، سلاطین اور تجار۔ 'صوفیہ کی تبلیغی خدمات' کے تحت اشاعتِ اسلام میں صوفیہ کی گراں قدر خدمات، ان کا طریق تبلیغ وحکمت عملی اور اثرات کا جائزہ لیا گیا ہے، نیز معروف صوفیۂ کرام کی خدمات کا مختصر اور جامع تعارف بھی دیا گیا ہے۔ صوفیہ کے بعد علمائے کرام کی تبلیغی خدمات کا بھی جائزہ لیا گیا ہے۔ اس جائزے میں ایک دل چسپ پہلو یہ اُبھر کر سامنے آتا ہے کہ مسلم حکومت کے عہد عروج میں تبدیلیِ مذہب کے واقعات کم ہوئے اور عہد زوال میں اسلام کی اشاعت بڑی تیزی سے ہوئی (ص ۷۸)۔ ۱۹۳۳ء کے پہلے ۵۰ سالوں میں تقریباً ۶۱ لاکھ لوگوں نے اسلام قبول کیا... پروفیسر آرنلڈ کے بقول سالانہ ۶ لاکھ تک لوگوں نے اسلام قبول کیا (ص ۹۶)۔ دورِ زوال میں تبلیغی مساعی کا سہرا زیادہ تر علما کے سر جاتا ہے۔ معروف علمائے کرام کی خدمات کا مختصر جائزہ بھی لیا گیا ہے۔

سلاطین کی تبلیغی خدمات کے جائزے میں یہ بات واضح طور پر محسوس کی جاسکتی ہے کہ اشاعتِ اسلام میں سلاطین کا نمایاں کردار نہ تھا۔ مسلمان سلاطین پر جبریہ اور جزیے کے ذریعے اشاعت اسلام' نیز جنگی قیدیوں کو جبریہ مسلمان کیا گیا جیسے اعتراضات کا ٹھوس دلائل سے رد کیا گیا ہے۔

ایک باب مسلمان تاجروں کی تبلیغی خدمات اور ان کے اثرات پر مبنی ہے۔ ہندستان میں اشاعتِ اسلام کا پہلا تعارف عرب تاجر تھے۔ ان کی معاشرت' حسنِ سلوک اور کردار نے اشاعتِ اسلام میں نمایاں کردار ادا کیا اور ذات پات پر مبنی معاشرے پر گہرے اثرات چھوڑے۔

مصنف نے صوفیہ اور بزرگانِ دین کی تبلیغ اور اصلاح کے علاوہ مسلم معاشرے کے لیے اُن کی بعض سیاسی اور معاشرتی خدمات پر بھی روشنی ڈالی ہے۔ مثلاً جب مغلوں نے ملتان پر حملہ کیا (۱۲۷۳ء) تو حضرت بہاؤالدین زکریاؒ نے ایک لاکھ روپے دے کر شہر کو اُن کی لوٹ مار سے بچایا۔ شیخ جلال الدین سلہٹ نے مسلمان سلطان سکندر آف بنگال نے جب گائے کے ذبیحہ کے مسئلے پر قتل ہونے والے مسلمان بچے کا بدلہ لینے کے لیے حملہ کیا تو شیخ نے ۳۶۰ مریدین کے ہمراہ اُن کے ساتھ جنگ میں شرکت کی۔ (ص ۴۰-۴۱)

اس کتاب کی اشاعت سے جہاں ہندستان میں اشاعتِ اسلام کے موضوع پر ایک مختصر' جامع اور مستند مطالعہ سامنے آیا ہے' وہاں یہ صوفیہ' علما' حکمرانوں اور تاجروں کے لیے بھی اشاعتِ اسلام اور اپنے فرائض اور ذمہ داریوں کی ادایگی کے لیے غوروفکر اور تحریک کا باعث ہوگا۔ (عرفان احمد)

مغربی تہذیب کا چیلنج اور اسلام' مرتب: پرواز رحمانی۔ ناشر: منشورات' منصورہ' ملتان روڈ' لاہور۔ صفحات: ۲۳۲۔ قیمت: ۱۵۰ روپے۔

اسلام اور مغرب کی کش مکش' تہذیبوں کا چیلنج' بنیاد پرستی' دہشت گردی اور تہذیبی اور ثقافتی یلغار جیسی اصطلاحات زبانِ زدعام ہیں۔ اس سلسلے میں خاص بات یہ ہے کہ ترقی یافتہ صنعتی ممالک کی واشنگٹن کی قیادت میں ثقافتی' عسکری اور سیاسی یلغار کے خلاف یہ کہہ کر دل کی بھڑاس نکالی جاتی ہے کہ یہ مغربی تہذیب کا کیا دھرا ہے۔ البتہ اس حقیقت کو تسلیم کر لینے میں کوئی عار نہیں کہ

مغربی تہذیب کے فکری ارتقا' بتدریج نشوونما اور طاقت و رقوتِ نافذہ کے بارے میں عالمِ اسلام میں اور بالخصوص اُردو زبان و ادب میں ٹھوس مطالعہ نہیں ہوا' اور نہ کسی تحقیقی ادارے نے اس کو باقاعدہ موضوع تحقیق بنایا ہے (وسائل کی کمی نہیں' اصل مسئلہ ترجیحات کا ہے)۔ نائن الیون کے سانحے کے بعد اس موضوع نے ایک نئی جہت لی ہے اور قرآن' پیغمبرؐ اسلام' غزوات' صحابہؓ کے جھگڑے' شیعہ سُنّی کی تفریق' زکوٰۃ' وراثت' چار شادیوں کا حق' جہاد' ذمّیوں کے حقوق جیسے الزامات پس منظر میں چلے گئے ہیں اور اسلام دہشت گردی کا ہم معنی قرار پایا اور پھر مسلمان کو دہشت گردی کی نشوونما میں شریک ٹھیرایا جا رہا ہے۔ اسلام اور مغرب کی اس تہذیبی کش مکش میں شدت آتی جا رہی ہے۔ اسلام کو درپیش اس چیلنج کا کیسے سامنا کیا جائے ___ زیرنظر کتاب اس کا ایک علمی و تحقیقی جواب ہے۔

بنیادی طور پر یہ کتاب سہ روزہ دعوت، دہلی کی اشاعتِ خاص ہے جسے پرواز رحمانی نے مرتب کیا ہے' اور ایک اہم علمی ضرورت کو پورا کرنے کے پیش نظر منشورات نے اسے کتابی صورت میں شائع کیا ہے۔ اس کتاب میں ۲۰ مقالات شامل کیے گئے ہیں۔ مغرب کے تاریخی کردار' تہذیبی چیلنج' امریکی زوال' دہشت گردی' عصری چیلنج' احیاے اسلام کی تحریک' عقلیت پسندی' نظامِ معاشرت' یہودیت اور دورِ جدید اور دیگر اہم موضوعات زیربحث لائے گئے ہیں۔

شہناز بیگم کا اٹھایا گیا یہ سوال اہم ہے کہ مختلف مذاہب' عقائد اور فلسفے نے عورت کو کیا حق دیا؟ اس کا تقابلی مطالعہ کیوں نہیں کیا گیا؟ فضیل الرحمٰن ہلال عثمانی کا تجزیہ ہے کہ جب آپ مغربی سائنس و ٹکنالوجی استعمال کریں گے تو آپ کو اُن کی اخلاقیات بھی استعمال کرنا پڑتے ہیں۔ اس کے علی الرغم راستہ اختیار کرنا چاہیے۔ ظفرالاسلام خان نے فرانسس فوکویاما اور ہن ٹنگٹن کے پیش کردہ نظریات کا پردہ چاک کیا ہے۔ سید عبدالباری کا خیال ہے کہ مغرب کے تہذیبی استعمار کی راہ اگر کوئی نظریہ اور تہذیبی تصور روک سکتا ہے تو وہ اسلام ہے۔ خرم مراد اور پروفیسر خورشید احمد کے مقالات بھی شاملِ اشاعت ہیں۔

اس کتاب کے مطالعے سے جہاں کئی اور موضوعات غور و فکر اور تحقیق کے لیے اُبھریں گے وہاں غلبۂ اسلام کی عالم گیر جدوجہد سے وابستہ قیادت اور کارکن بھی کئی نئے موضوعات پر سوچنے کی راہیں پائیں گے۔ (محمد ایوب منیر)

فتاویٰ رسول ؐ اللہ، استفادہ از امام ابن قیم، تقدیم ونظر ثانی: مبشر احمد ربانی۔ تحقیق‘ تدوین واضافہ: ابویحیٰ محمد زکریا۔ ناشر: حدیبیہ پبلی کیشنز‘ رحمٰن مارکیٹ‘ غزنی سٹریٹ‘ اُردو بازار‘ لاہور۔ صفحات: ۴۲۴۔ قیمت: ۲۰۰ روپے۔

بیروت کے ایک ادارے دارالمعروفہ نے امام ابن قیمؒ کی معروف کتاب اعلام الموقعین کا ایک حصہ فتاویٰ رسولؐ اللہ کے نام سے شائع کیا تھا۔ زیرنظر کتاب اُس کا ترجمہ ہے لیکن ابویحیٰ محمد زکریا نے اصل مصادر ومراجع سے رجوع کر کے پوری تحقیق کے بعد کتاب مرتب کی ہے۔ پھر ابواب اور فصلوں کی ترتیب میں بھی حسبِ ضرورت ردوبدل کیا گیا ہے۔

کتاب میں ان احادیث کو بلحاظ موضوع جمع کیا گیا ہے جن میں نبی کریمؐ نے وقتاً فوقتاً زندگی کے مختلف امور و مسائل پر صحابہ کرامؓ کے سوالات کے جواب دیے۔ جملہ ذخیرۂ فتاویٰ کو ۲۵ ابواب (عقیدہ‘ ایمان اور توحید‘ تفسیر قرآن‘ افضل اعمال‘ نبوت اور وحی‘ طہارت‘ نماز‘ موت اور میت‘ روزہ‘ زکوٰۃ وخیرات‘ حج‘ ذکرِالٰہی‘ نکاح‘ میراث‘ کسبِ معاش اور جہاد وغیرہ) کے تحت ضمنی عنوانات کے تحت مرتب کیا گیا ہے۔ یہ ترتیب سوال جواب کی شکل میں ہے۔ سوال اُردو اور جواب میں پہلے حدیث کا عربی متن‘ پھر اُردو ترجمہ دیا گیا ہے۔ پاورق حواشی میں اسناد اور حوالے درج ہیں۔

بلاشبہہ کتاب بڑی محنت سے مرتب کی گئی ہے۔ کتابت اور آرایش کا انتظام بھی خوب ہے۔ ص ۳۸۸ پر ’کبیرہ گناہوں کا بیان‘ کے زیرعنوان ایک سوال (یارسولؐ اللہ! کبیرہ گناہ کیا ہیں؟) کے جواب میں عربی متن حدیث پانچ سطروں میں اور اس کا ترجمہ چھے سطروں میں درج ہے‘ اور یہ وضاحت بھی کی گئی ہے کہ یہ ’بہت سی احادیث کا مجموعہ ہے‘۔ بعدازاں اس کی تشریح میں ۱۸۴ کبیرہ گناہوں کی فہرست دی گئی ہے جس کے مطابق ’نمازی کے سامنے سے گزر جانا بھی کبیرہ گناہ‘ ہے۔ یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ اس مختصر حدیث سے اتنی طویل فہرست کیسے اخذ کی گئی ہے؟ بحیثیت مجموعی کتاب لائقِ مطالعہ اور مفید ہے۔ عام قاری کو قابلِ قدر رہنمائی ملے گی۔ (رفیع الدین ہاشمی)

تحفظ ختم نبوت، اہمیت اور فضیلت، محمد متین خالد۔ ناشر: مرکز سراجیہ' لاہور۔ ملنے کا پتا: علم وعرفان پبلشرز' ۳۴- اُردو بازار' لاہور۔ صفحات: ۳۵۱۔ قیمت (مجلد): ۲۰۰ روپے۔

قادیانیت اور ختم نبوت کے موضوع کے حوالے سے محمد متین خالد کا نام محتاجِ تعارف نہیں ہے۔ اس موضوع پر آپ کی متعدد وقیع کتب سامنے آچکی ہیں۔ اب انھوں نے تحفظ ختم نبوت کی اہمیت وفضیلت پر ایک عمدہ کتاب شائع کی ہے۔

'مقامِ مصطفیٰؐ' باب سے کتاب کا آغاز ہوتا ہے جو آپؐ کا ایمان افروز اور حبِ رسولؐ سے سرشار تذکرہ ہے۔ عقیدۂ ختمِ نبوت قرآن وحدیث کی روشنی میں' جھوٹے مدعیانِ نبوت اور ان کے خلاف صحابہؓ کا جہاد' مرزا قادیانی کا دعویٰ نبوت اور ہرزہ سرائیاں جیسے موضوعات بھی زیربحث آئے ہیں۔ حبِ رسولؐ اور عشقِ رسولؐ پر مبنی ایمان افروز واقعات اور عظیم شخصیات کا تذکرہ کتاب کا جہاں دل چسپ اور اہم حصہ ہے وہاں اجمالاً تاریخ سے آگہی بھی دیتا ہے (چند نام: علامہ محمد اقبال' ثناء اللہ امرتسری' انورشاہ کشمیری' احمد علی لاہوری' عطاء اللہ شاہ بخاری' ظفرعلی خاں' شورش کاشمیری' سید ابوالاعلیٰ مودودی' ذوالفقار علی بھٹو' پیر کرم شاہ ازہری' عامر عبدالرحمٰن چیمہ شہید وغیرہ)۔ گستاخانِ رسولؐ سے مسلمانوں کا رویہ اور ان کے انجام پر بھی ایک باب ہے۔ مصنف نے اس طرف بھی توجہ دلائی ہے کہ قادیانیوں کا مکمل سماجی اور معاشی بائیکاٹ کیا جائے۔ اس لیے کہ رواداری کی اجازت صرف ان کافروں کے لیے ہے جو محارب اور موذی نہ ہوں۔ قادیانی اپنی شرانگیزیوں کے باعث اس زمرے میں نہیں آتے (ص ۲۸۰)۔ آخر میں تحفظ ختم نبوت کی اہمیت کے پیش نظر اسے فریضہ امر بالمعروف ونہی عن المنکر قرار دیتے ہوئے رہنمائی دی گئی ہے کہ کیسے اس فرض کو ادا کیا جائے۔ بلاشبہہ یہ کتاب اپنے موضوع پر ایک اہم ضرورت کو پورا کرتی ہے۔(امجد عباسی)

توضیح وتصریح، محمود عالم۔ ناشر: اُردو بک ریویو' دہلی' بھارت۔ صفحات: ۱۵۲۔ قیمت: ۱۰۰ بھارتی روپے۔

محمود عالم کے سات مضامین اور ۱۹ کتب پر تبصروں کا یہ مجموعہ محمد عارف اقبال نے مرتب کیا ہے۔ محمود عالم مرحوم ہندستان اور سعودی عرب میں مختلف تعلیمی اور علمی اداروں میں خدمات سرانجام

دیتے رہے۔ اس کتاب کے مضامین پڑھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ وہ اُمت مسلمہ کے لیے ایک دردمند دل رکھتے ہیں۔ ان کی تحریریں اس بات کا ثبوت ہیں کہ ان کے سامنے میزان قرآن و حدیث ہی ہے۔ 'اہلِ قلم کی اخلاقی ذمہ داریاں' اس مجموعے کا ایک اہم مضمون ہے جس میں انھوں نے یہ واضح کرنے کی کوشش کی ہے کہ قلم کو اللہ تعالیٰ نے بطور امانت انسان کے سپرد کیا ہے۔ اس کے ذریعے عدل و انصاف، امن و امان اور خیروفلاح مقصود ہونا چاہیے نہ کہ فاسقانہ انداز اختیار کرتے ہوئے اس کی حُرمت کو پامال کیا جائے۔

محمود عالم کے خیال میں اُمت مسلمہ کے زوال پر ایک افسوس اور نوحہ تو کیا جارہا ہے لیکن اسے زوال سے نکالنے کے لیے کوئی قابلِ ذکر کوشش نظر نہیں آتی ماسوا چند افراد (شکیب ارسلان، علامہ اقبال اور مولانا مودودی) کی اہم کوششوں کے۔ دورِ حاضر کے سربراہانِ حکومت اور راہنما اُمت کو پستی سے نکالنے کے بجاے تہذیب مغرب کی غلامی پر رضامند رہنے کی ترغیب دلاتے ہیں۔ ان کے مضامین میں خاصا تنوع ہے (مطالعۂ کتب کیوں اور کیسے؟ اہلِ قلم کی اخلاقی ذمہ داریاں، کلامِ حافظ میں اخلاقی اور روحانی تعلیمات، تفسیر قرآن: ایک جائزہ، انفاق فی سبیل اللہ وغیرہ)۔

مجموعی طور پر کہا جاسکتا ہے محمود عالم کا موضوع اعلیٰ انسانی اخلاقی اقدار ہیں اور اس کا سب سے بڑا ذریعہ اسلامی تعلیمات پر عمل پیرا ہونا ہے۔ زوال اُمت پر فاتحہ خوانی کرنے کے بجاے شکیب ارسلان، علامہ اقبال اور سید مودودی کے افکار کو اپنا کر نئی صبح کی نوید کا پیغام دینا فرضِ اولیں ہے۔(محمد ایوب لِلّٰہ)

حکمت عملی کا تسلسل، قاضی حسین احمد۔ ناشر: ادارہ معارف اسلامی، منصورہ، ملتان روڈ، لاہور۔ صفحات: ۲۹۲۔ قیمت: ۱۴۰ روپے۔

محترم قاضی حسین احمد نے بطور امیر جماعت اسلامی پاکستان، جماعت کی مرکزی شوریٰ کے اجلاسوں (دسمبر ۱۹۸۷ء تا جنوری ۲۰۰۶ء) میں جو افتتاحی اور اختتامی تقریریں کیں، انھیں حافظ شمس الدین امجد نے مرتب کیا ہے۔ ان تقریروں میں بنیادی طور پر، اجلاس سے متصل گزرے ہوئے قومی و ملّی حالات پر تبصرہ ہے۔ چونکہ بڑے مسائل (کشمیر، افغانستان، فلسطین، پاکستان میں

آئینی معاملات اور آمریت و جمہوریت کا قضیہ وغیرہ) ایک ہی نوعیت کے رہے ہیں، البتہ ان مسائل سے منسلک افراد کے نام بدلتے رہے ہیں، اس مناسبت سے مسئلے کے ساتھ متعلقہ افراد کے رویے بھی زیر بحث آئے ہیں۔ بہ ایں ہمہ ۱۹ برس کے واقعات پر جماعت اسلامی کے موقف کو جاننے کا یہ ایک ماخذ ہے۔(سلیم منصور خالد)

سانحۂ لال مسجد، مرتب: رضوان ریاض انصاری۔ ناشر: شائل پبلی کیشنز، کراچی۔ ملنے کا پتا: ادارہ معارف اسلامی، ۳۵-ڈی، بلاک ۵، فیڈرل بی ایریا، کراچی۔ صفحات: ۲۵۵+۱۶۔ قیمت: ۲۰۰ روپے۔
سیدہ حفصہؓ کی جاں نثار بیٹیاں، مرتب: عباس اختر اعوان۔ ناشر: مکتبہ خواتین میگزین، منصورہ، لاہور۔ صفحات: ۲۷۲+۴۔ قیمت: ۱۸۰ روپے۔

لال مسجد اور جامعہ حفصہ اسلام آباد پر مسلط کیے جانے والے خونیں آپریشن کا تذکرہ ایک مدت تک ہمارے دینی، سیاسی اور اجتماعی مباحث کا حصّہ بنا رہے گا۔ زیرنظر کتب کے مرتبین نے اس سانحے کے فوراً بعد قومی اخبارات میں شائع ہونے والے مختلف کالموں اور مضامین کو اس انداز سے مرتب کر دیا ہے، کہ زمانے کی فصل کے باوجود مستقبل میں قاری یہ دیکھ سکے گا اور محسوس کر سکے گا کہ رنج والم کی اس فضا میں اہلِ قلم اور خصوصاً کوچۂ صحافت سے وابستہ افراد نے کس انداز سے اسے دیکھا، محسوس کیا اور بیان کیا۔(س-م-خ)

العصر، ارضِ قرآن نمبر، مفتی غلام الرحمٰن۔ ناشر: ماہ نامہ العصر، جامعہ عثمانیہ، عثمانیہ کالونی، نوتھیہ روڈ، پشاور صدر۔ صفحات: ۱۲۷۔ قیمت: ۷۵ روپے۔

جامعہ عثمانیہ، پشاور کے مہتمم مولانا مفتی غلام الرحمٰن کی مشرق وسطیٰ کے دو اہم ممالک شام اور اُردن کی روداد سیر وسیاحت جو العصر کی خصوصی اشاعت 'ارض قرآن نمبر' کے نام سے شائع کی گئی ہے۔ دمشق، حلب، حمص اور ان کے نواحی علاقوں کے آثار، مساجد، مقابر اسی طرح اُردن کے مختلف علاقوں، شہروں، عمارتوں کی زیارت کی تفصیل دی گئی ہے۔ شام اور اُردن میں صحابہ کرامؓ کثیر تعداد میں مدفون ہیں۔ مفتی صاحب نے بلال حبشیؓ، امیر معاویہؓ، خالد بن ولیدؓ، زید بن حارثہؓ، جعفر بن ابی طالبؓ، عبداللہ بن رواحہؓ، ابوعبیدہ بن الجراحؓ، عبدالرحمٰن بن عوفؓ وغیرہ اور بعض اکابر

اُمت (ابن عربی، صلاح الدین ایوبی اور امام نووی وغیرہ) کے مقابر و مزارات دیکھیے۔ بعض تاریخی مقامات، مثلاً: اصحابِ کہف کا غار، پیٹرا کی عمارتیں، جنگِ موتہ کا میدان، بحر مردار، میدانِ یرموک وغیرہ کا مشاہدہ بھی کیا۔ شام کے ایک پُرفضا مقام نبع فیجہ میں ساری رونق خوش ذائقہ پانی کی فراوانی سے ہے۔ بتاتے ہیں کہ سیاحت کے فروغ کے لیے ہوٹلوں میں شراب پیش کی جانے لگی تو چشمے خشک ہونے لگے اور کاروبار ٹھپ ہوگیا۔ شراب بند کرنے پر دوبارہ پانی کی فراوانی ہوگئی۔ اسلوب واضح، دل چسپ اور نیم عالمانہ [illegible] اں دواں ہے۔ (ر-ہ)

[illegible]ارف کتب

◉ ماہنامہ سوے حرم، لاہور، دعا نمبر۔ مدیر اعلیٰ: محمد صدیق بخاری، ۵۳-وسیم بلاک، حسن ٹاؤن، ملتان روڈ، لاہور-۵۴۷۸۰۔ صفحات: ۱۲۰۔ قیمت: ۲۰ روپے۔ [دعاؤں کا ایک دیدہ زیب مجموعہ۔ ۵۰ قرآنی اور احادیث میں منقول ۱۰۰ دعاؤں کے علاوہ روزمرہ کی خصوصی مواقع کی تمام ضروری دعائیں ترجمے اور فوائد کے ساتھ۔ نمایاں عربی کمپوزنگ۔ ابتدا میں دعا پر ایک جامع مقالہ۔]

◉ برگِ سبز، مولانا عبدالقیوم کلاچوی۔ ناشر: القاسم اکیڈمی، جامعہ ابوہریرہ، خالق آباد، نوشہرہ۔ صفحات: ۹۷۔ قیمت: درج نہیں۔ [مولانا مفتی محمد شفیع سرگودھوی (بانی و مہتمم مدرسہ سراج العلوم سرگودھا) کی سوانحی جھلکیوں پر مشتمل اس کتاب میں ان کے اخلاص اور للّٰہیت، تصوف اور سلوک، سیاسی عقیدہ، طلبہ اور سالکین کی تربیت کا تذکرہ ہے جسے ان کے ایک شاگرد کلاچوی صاحب نے مرتب کیا ہے۔ فضائل و مراتب کا بیان تو بجا، مگر یہ پتا نہیں چلتا کہ حضرت سرگودھوی کس زمانے کے بزرگ تھے؟ کب اور کہاں پیدا ہوئے اور کب اُن کا وصال ہوا؟ یہ کیسی سوانح ہے!]

◉ کامیاب طالب علم، روح اللہ نقش بندی۔ ناشر: دارالہدیٰ، دفتر نمبر ۸، پہلی منزل، شاہ زیب ٹیرس نزد زم زم پبلشرز، اُردو بازار، کراچی۔ صفحات: ۱۹۲۔ قیمت: درج نہیں۔ [ایک طالب علم کن صفات کو اپنا کر علم میں پختگی، عمل میں مضبوطی اور اخلاق میں درستی پیدا کرسکتا ہے۔ طالب علم کے لیے ضروری آداب تفصیل سے بیان کیے گئے ہیں، نیز علم کے متعلق اکابر کے واقعات نے کتاب کو دل چسپ بنادیا ہے۔]

مدیر کے نام

احمد سلمان ' ایبٹ آباد

رمضان المبارک کی آمد پر حسب روایت ترجمان القرآن (ستمبر ۲۰۰۷ء) میں اس مناسبت سے خصوصی تحریریں پڑھنے کو ملیں۔ سید مودودیؒ نے بجا توجہ دلائی ہے کہ اسلامی انقلاب کی راہ میں اصل رکاوٹ دعوتِ دین کی تڑپ میں کمی ہے۔ مولانا عبدالمالک نے احادیث کے انتخاب میں رمضان کے فیوض و برکات کا اختصار سے جائزہ پیش کر کے عمدہ تذکیر کی۔ 'تہجد کے انعام' مؤثر اور عمل کی ترغیب دلانے والی تحریر ہے۔ نماز میں تعدیل ارکان سے عموماً غفلت برتی جاتی ہے' صحیح توجہ دلائی گئی ہے۔ 'تجوید و قرأت کی فضیلت' میں جہاں خوش الحانی کی تاکید اور صحیح نہ پڑھنے پر قرآن کی لعنت کا سزاوار ٹھیرایا جانے کی طرف توجہ دلائی گئی ہے' وہاں یہ پہلو وضاحت طلب ہے کہ جو لوگ اہلِ زبان نہیں وہ کوشش کے باوجود بہرحال مخارج کی اس طرح ادایگی نہیں کر سکتے جس طرح کہ کی جانی چاہیے تو ان کا کیا معاملہ ہوگا؟

شفیق الرحمٰن انجم ' قصور

'پاکستان کے تعلیمی نظام میں امریکی مداخلت' (ستمبر ۲۰۰۷ء) یقیناً ایک غور طلب تحریر ہے۔ نصابِ تعلیم جو ملک میں ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتا ہے وہ بھی طاغوتی طاقتوں کے ہاتھوں کھلونا بن چکا ہے۔ 'روشن خیالی' کے نام پر نصابِ تعلیم میں رو و بدل کر کے نئی نسل کو اسلام کے نظریۂ حیات سے دُور کیا جا رہا ہے اور ذہنی غسل کے ذریعے غیر محسوس طور پر مغربی تہذیب کا نفوذ کیا جا رہا ہے جو نہایت تشویش کا باعث ہے۔ پاکستان میں احیائے اسلام کی تحریکوں کو چاہیے کہ اس مذموم طاغوتی سازش کا صحیح ادراک کرتے ہوئے اس محاذ کو کھلا نہ چھوڑیں۔ اس سے نئی نسل ہی نہیں خود پاکستان کا مستقبل بھی وابستہ ہے۔

ڈاکٹر مختار احمد ' بہاول پور

'رسائل و مسائل' (ستمبر ۲۰۰۷ء) میں 'ایک سے زائد حج' کے تحت علامہ یوسف قرضاوی کی تحریر نظر سے گزری۔ اس میں اُمت مسلمہ کے مفاد کے پیش نظر ایک اہم پہلو کی طرف بجا توجہ دلائی گئی ہے۔ اس کو عام کرنے کی ضرورت ہے۔

بریگیڈیر (ر) ایم شفیع خاں ' لاہور

'پاکستان فیصلہ کن دوراہے پر' (اگست ۲۰۰۷ء) ہماری انتہائی گراوٹ کی صحیح تصویر ہے۔ اگر مولانا حضرات کی کچھ غلطیاں بھی ہوں' تب بھی یہ holocaust اُن حدود سے کوسوں باہر ہے۔

۱۶ دسمبر ۱۹۷۱ء پونچھ شہر پر حملہ ناکام ہونے کے بعد جو میری مخالفت کے باوجود کیا گیا تھا' مجھے راجوری پر حملے کی اجازت ملی۔ ساز و سامان پہنچایا گیا۔ میرے منصوبے میں سب سے پہلے توپ خانے سے راجوری پر پمفلٹ گرانا تھا تاکہ سویلین شہر سے باہر ایک کھلے علاقے میں چلے جائیں اور سویلین آبادی کسی طرح آپریشن کی زد میں نہ آئے۔ مگر یحییٰ خان نے بھی ایوب خان کی طرح تقریر پڑھی اور لڑکھڑاتی زبان سے ہندستان کو دھمکی دی اور جنگ بندی ہوگئی۔ ہمارا آپریشن یادوں تک رہ گیا۔ اسلام پر چلنے والے لوگ اخلاق کے علاوہ اپنی اچھائی کیسے ثابت کرسکتے ہیں کہ دشمن بھی اُس کا اعتراف کرے۔

لال مسجد اور جامعہ حفصہ کا قتل عام' اتنی معصوم روحوں کو صفحۂ ہستی سے مٹانے کا حکم صرف ہلاکو خان ہی دے سکتا تھا۔ پاکستان کی ہستی اور آئیڈیالوجی کو بے عزت کرنے کا قبیح کارنامہ کیسے سرزد ہوا۔ یہ مکروہ ترین حرکت شاید کوئی کافر بھی نہ کرتا سوائے اسرائیلیوں کے۔ اس دکھ کو کبھی بھی بھلایا نہیں جاسکے گا۔

عبدالرقیب' چنائی' بھارت

'مسلم ریاست میں دعوت و جہاد کا منہج' (اگست ۲۰۰۷ء) کے لیے ڈاکٹر اختر حسین عزمی قابلِ مبارک باد ہیں۔ موصوف نے تبلیغ و تعلیم اور عملی جہاد کے درمیان آج کی صورت حال میں احتجاج اور راے عامہ کو ہموار کرنے کے لیے نئی حکمت عملی اور طریقۂ کار کی نشان دہی قرآن اور سیرت وسنت رسولؐ اور فقۂ اسلامی کے حوالوں سے کی ہے۔ اس سے فکروعمل کے لیے نئے دریچے کھلیں گے' نیز نہ صرف مسلم ریاستوں میں بلکہ خود ہمارے ملک میں جہاں مسلمان اقلیت میں ہیں' نئے انداز سے کام کرنے کا نقشہ بن سکتا ہے۔

آصف محمود 'لاہور

'مسلم ریاست میں دعوت و جہاد کا منہج' میں موجودہ صورت حال میں تبدیلی کے لیے آئینی جدوجہد کی اہمیت کو خوب اُجاگر کیا گیا ہے۔ اس موضوع پر مزید لکھنے کی ضرورت ہے تاکہ اسلام کے لیے دردِ دل رکھنے والے جدید ریاست کی تشکیل میں آئینی اداروں اور دستوری جدوجہد کی اہمیت کو سمجھ سکیں۔



SINCE 1979
سنڈِپ
قدرتاً بہتر®
SUNDiP
CHAT PATA
Hot & Spicy Sauce
SUNDiP
Chilli Garlic
Sauce
550g
Net Weight
SUNDiP
Halal
TOMATO
Ketchup
EMAIL: npl@naurus-sundip.com, FAX: 021-2571359

حسین فاروق مودودی نے ملک عید محمد پرنٹرز سے چھپوا کر ۵-اے ذیلدار پارک اچھرہ لاہور سے شائع کیا

قرطبہ سٹی

امن اور علم کی بستی اکیسویں صدی کا محور تعلیم و تحقیق

Madina Tul Ilm

محلِ وقوع و آب و ہوا:



قرطبہ سٹی کے لئے جگہ کا انتخاب چکری انٹرچینج، موٹروے (M2) کے ساتھ کیا گیا ہے۔ یہ جگہ اسلام آباد، راولپنڈی سے 30 منٹ کی ڈرائیو (50 کلومیٹر تقریباً) پر تحصیل راولپنڈی میں واقع ہے۔ کوہِ خیری مُورت کے دامن میں واقع یہ علاقہ قدرتی مناظر سے مالا مال ہے۔ اس کا موسم اور نشیب و فراز اسلام آباد سے ملتے جلتے ہیں۔ اس کے درمیان سے دریائے سِل بل کھاتا ہوا گزرتا ہے جس میں قدرتی چشموں کی وجہ سے سارا سال پانی کا بہاؤ رہتا ہے۔

شہری سہولیات و خصوصیات:

❀ تمام سہولیات جو ایک جدید شہر میں ہوتی ہیں ❀ شجرکاری اور اس کی مستقل دیکھ بھال گھروں کے معیاری نقشہ جات کی فراہمی۔
❀ قرطبہ سٹی کا اندرونی ٹرانسپورٹ کا نظام ❀ قرطبہ سٹی سے اسلام آباد، راولپنڈی تک ٹرانسپورٹ کی سہولت ❀ منصوبے کو آبادکاری کے دوران مالی لحاظ سے خود کفیل رکھنے کا نظام۔
❀ اسلامی معاشرتی اقدار کے فروغ کے لئے شہری زندگی اور ہمسائیگی کے خصوصی بائی لاز ❀ تمام شہری سہولیات کی فراہمی اور مستقل دیکھ بھال کا نظام۔

منصوبے کی خصوصیات:



❀ قرطبہ سٹی کے وسط میں وسیع و عریض بین الاقوامی قرطبہ یونیورسٹی کا قیام و انصرام۔ یہ یونیورسٹی جدید سائنسی اور معاشرتی علوم پر تحقیق اور اُن کو اسلامی قدروں میں ڈھالنے کا محور ہوگی۔ ❀ ایک عظیم الشان مرکزی جامع مسجد قرطبہ کا قیام و انصرام۔ یہ جامع مسجد یونیورسٹی سے ملحقہ ہوگی اور یونیورسٹی کے مقاصد کے حصول میں کلیدی کردار کی حامل ہوگی۔ ❀ خواتین کے لئے خصوصی کاروباری مراکز و تفریحی مقامات۔

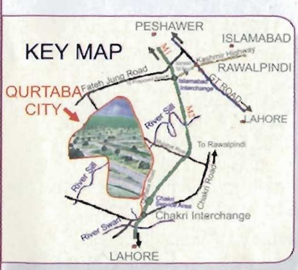
ترقیاتی کاموں کی صورتِ حال اور ماسٹر پلان:

❀ اس عظیم الشان منصوبے کے لیے 4 سے زائد ملحقہ موضع جات میں زمین کی خرید کی جاچکی ہے۔ اِن میں سے ایک موضع کی زمین کو یکجا کیا جا چُکا ہے (الحمدُ اللہ)۔ اور بقیہ موضع جات میں یکجا کرنے کا عمل جاری ہے۔ منصوبے کے حجم کے پیش نظر اس کی منصوبہ بندی اور تکنیکی کام مُلک کے مشہور اور مایہ ناز تکنیکی منصوبہ ساز اور کنسلٹنٹ میسرز نیسپاک (نیشنل انجینئرنگ سروسز پاکستان) کو سونپا گیا ہے۔ نیسپاک نے ایک جامع شہری منصوبہ پیش کر دیا ہے۔ اور یکجا ہونے والے وسیع رقبہ کی منصوبہ بندی مکمل کر دی ہے۔ انجینئرز کا تیار کردہ ماسٹر پلان TMA کے پاس منظوری کے لئے جمع کروا دیا گیا ہے۔ اور تکنیکی مرحلوں سے گزر کر اب یہ ماسٹر پلان منظوری کے آخری مرحلہ میں ہے۔


قرطبہ سٹی پراجیکٹ آفس کا ایک منظر

پراجیکٹ آفس اور سائیٹ کا مشاہدہ:

❀ عظیم الشان منصوبے کی ضرورت کے مطابق تمام جدید سہولیات سے مزین پراجیکٹ آفس کی تعمیر مکمل ہو چکی ہے۔ اور جلد ہی انجینئرز اس آفس میں تعمیراتی کاموں کی نگرانی کا آغاز کر دیں گے۔ آپ سائیٹ کے مشاہدہ کے لیے چکری انٹرچینج موٹروے (M2) سے نکل کر اشارتی بورڈز کے مطابق پراجیکٹ آفس کا دورہ کر سکتے ہیں۔



پلاٹ بکنگ:

❀ ٹاؤن پلاننگ کی منظوری کے ساتھ ہی مزید پلاٹ بکنگ کے لئے پیش کر دیے جائیں گے۔
اور ساتھ ہی الاٹمنٹ کا طریقہ کار اور نئی قیمتوں کا تعین بھی کر دیا جائے گا۔

موجودہ پلاٹ ہولڈرز متوجہ ہوں:

❀ قرطبہ سٹی کے دفتر سے رابطہ کر کے اپنا ڈاک کا پتہ درست کروائیں تاکہ ڈاک کی ترسیل یقینی بنائی جا سکے۔ ایڈریس تبدیل کرنے کے لئے فارم دفتر سے حاصل کریں۔ اقساط پر بکنگ کروانے والے حضرات فوری طور پر اپنی بقایا اقساط جدول کے مطابق ادا کر دیں۔ بقایا جات جاننے کے لئے دفتر سے رابطہ قائم کریں۔ خواتین و حضرات اپنی رائے اور تجاویز سے مدینۃ العلم کے پتہ پر یا Email کے ذریعہ آگاہ کریں۔

مدینۃ العلم
فلیٹ نمبر 4، فسٹ فلور، خیبر پلازہ، فضل حق روڈ، بلیو ایریا، اسلام آباد
فون: 92-51-2206380 فیکس: 92-51-2270411
info@qurtabacity.com

Rev. 4.0

طبرانی نے حضرت معاذ بن جبلؓ
سے ایک روایت نقل کی ہے جس میں یہ مضمون ارشاد ہوا ہے کہ جب دین کا سیاسی نظام بگڑ جائے گا تو مسلمانوں پر ایسے حکمراں ہوں گے جو غلط رخ پر سوسائٹی کو لے جائیں گے اگر ان کی بات مانی جائے تو لوگ گمراہ ہو جائیں گے اور اگر ان کی بات کوئی نہ مانے تو وہ اسے قتل کر دیں گے۔ اس پر لوگوں نے پوچھا: ”ایسے حالات میں آپؐ کیا ہدایت دیتے ہیں؟“
تو آپؐ نے فرمایا: ”تمہیں وہی کچھ اس زمانے میں کرنا ہوگا جو عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام کے ساتھیوں نے کیا۔ وہ آروں سے چیرے گئے، سولیوں پر لٹکائے گئے، لیکن انہوں نے باطل کے آگے ہتھیار نہیں ڈالے۔
اللہ کی اطاعت میں مرجانا اس زندگی سے بہتر ہے جو اللہ کی نافرمانی میں بسر ہو۔“